سرمایہ، جلداول

CAPITAL Vol. 1

جرمن، فرانسیسی اورانگریزی ایڈیشنوں کے دیباچے اوراختتامیے

PREFACES AND AFTERWORDS

TO THE GERMAN, FRENCH AND ENGLISH

EDITIONS

ترجمہ: امتیاز حسین، ابن حسن

انگریزی اشاعت کا دیباچہ

Preface to the English Edition

"Das Kapital" کے انگریزی ترجمے کی اشاعت کسی عذر کی محتاج نہیں۔ تاہم یہ عذر صرف اسی صورت ہی میں قابلِ قبول ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کے انگریزی ترجمہ میں تاخیر کا کیا سبب تھا، جب کہ یہ بات بھی محلِ نظر ہے کہ ماضی کے چند برسوں سے اس کتاب میں زیرِ بحث لائے جانے والے نظریات مسلسل توجہ کا مرکز بن رہے ہیں، نہ صرف رسائل و جرائد میں بلکہ امریکہ اور انگلستان کے موجودہ ادب میں بھی ان پر اعتراضات اُٹھ رہے ہیں اور دفاع کیا جارہا ہے، صحیح اور غیر صحیح استنباطات کئے جارہے ہیں۔

جب اس کتاب کے مصنف کی موت 1883 کے فوراً بعد اس کی انگریزی اشاعت کی ضرورت بیّن ہوگئی تو مسٹر سیمول مُور _ جو کئی سال تک مارکس کا دوست رہا، اور جس کے علاوہ کوئی شخص بھی شاید اس کتاب کو سمجھ نہیں پایا _ نے اس کے انگریزی ترجمے کے لئے رضامندی کا اظہار کیا جسے عوام تک پہنچانے کے لئے مارکس کے ادبی وارثین بہت بیتاب تھے۔ یہ بات تو طے تھی کہ اس مسودے کا اصل تصنیف سے موازنہ، اور قابلِ اصلاح تبدیلیوں کی نشاندہی مجھے ہی کرنا تھی۔ جب رفتہ رفتہ یہ بات علم میں آگئی کہ مسٹر سیمول مُور کی پیشہ وارانہ مصروفیات کی وجہ سے

ترجمہ اتنی جلدی مکمل نہ ہوسکے گا جس کی ہم امید کررہے تھے تو ہم نے ڈاکٹرAveling کی اس پیشکش کو دل وجان سے قبول کرلیا کہ وہ اس تصنیف کے ایک حصے کا ترجمہ کریں گے۔اسی اثنا میں مارکس کی سب سے چھوٹی بیٹی مسز ایولنگ نے اقتباسات کی درستگی اور ان انگریزی مصنفین اور حکومت کی کتابوں کے اصل متون کی بحالی کی ذمہ داری سنبھال لی جن کا مارکس نے جرمنی میں ترجمہ کیا تھا۔کچھ ناگزیر مجبوریوں کے علاوہ یہ کام ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

ڈاکٹر ایولنگ نے کتاب کے درج ذیل حصے ترجمہ کئے ہیں:

(1) باب x. (دہاڑی)، باب xi. (قدرِزائد کی شرح اور حجم)۔

(2) حصہ 6. (اُجرت، بشمول باب xix سے لے کر باب xxii تک)۔

(3) باب xxiv کی فصل 4 (حالات جو کہ.....) سے اس جلد کے اختتام تک بشمول باب xxiv کا آخری حصہ، باب xxv، اور حصۂ ہشتم پورے کا پورا (جس میں باب xxvi سے لے کر باب xxxiii تک آجاتے ہیں)۔

(4) دونوں مولفین کے دیباچے۔

باقی تمام کتاب کا ترجمہ مسٹر مُور نے کیا ہے۔اب چونکہ دونوں مترجمین اپنے اپنے ترجمہ شدہ حصے کے خود ذمہ دار ہیں اس لئے یہ کتاب مجموعی طور پر میری ذمہ داری میں آتی ہے۔

تیسری جرمن اشاعت، جو ہمارے سارے کے سارے ترجمے کی بنیاد بنتی ہے، کو میں نے ہی مصنف کے لکھے ہوئے نوٹس کی مدد سے مرتب کیا تھا؛ جن میں اُن پیراگرافوں کی نشاندہی کی گئی تھی جو 1873 میں چھپنے والی فرانسیسی اشاعت 1 میں بدلنے مقصود تھے۔ چنانچہ دوسری اشاعت کے متن میں آنے والی تبدیلیاں اُن تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہیں جن کی نشاندہی مارکس نے مسودے کے اُس ہدایت نامے میں کی تھیں جو مجوزہ انگریزی ترجمے کے لئے تقریباً دس سال پہلے امریکہ میں مرتب ہوا اور جس میں تاخیر کی وجہ موزوں اور مناسب مترجم کی عدم موجودگی تھی۔اس مسودے کو ہمارے ایک پرانے دوست Mr. F. A. Sorge of Hoboken N. J.. نے ہمیں مہیا کیا۔اس میں فرانسیسی ایڈیشن کے علاوہ بھی کچھ مزید اضافے موجود ہیں، لیکن تیسرے ایڈیشن کی ہدایات سے بہت سال پرانا ہونے کی وجہ سے، مجھے یہ آزادی نہ تھی کہ اس کا استعمال کروں، سوائے بہت ہی کم مواقع پر، جب کچھ مشکلات پر قابو پانے کے لئے اس کا استعمال ناگزیر تھا۔اسی طرح، فرانسیسی متن کا حوالہ کئی مشکل پاروں میں دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ مصنف خود کیا چیز قربان کرنے کو تیار تھا جہاں کہیں اصل کتاب کی مکمل اہمیت کی کوئی چیز ترجمے میں قربان کرنا پڑی۔

تاہم ایک مشکل ایسی ضرور موجود ہے جس سے ہم قاری کو بچا نہیں پائے یہ کہ ایسی اصطلاحات کا بالکل نئے انداز میں استعمال جن کا نہ صرف عام زندگی میں بلکہ سیاسی معاشیات میں بھی عام معنی لیا جاتا ہے۔لیکن اس سے

بچنا محال تھا۔ کسی علم کا ہر نیا پہلو اپنے دائرۂ کار میں آنے والی تکنیکی اصطلاحات میں بھی انقلاب لے کر آتا ہے۔ اس کی واضح مثال کیمسٹری میں مل سکتی ہے جس میں اصطلاحات کا سارا نظام ہر بیس سال میں طبعی طور پر ایک بار ضرور بدل جاتا ہے، جس میں آپ کو مشکل ہی سے کوئی ایسا نامیاتی مرکب ملے گا جس کے ساتھ مختلف ناموں کا ایک طویل سلسلہ جُڑا ہوا نہ ہو۔ سیاسی معاشیات نے عموماً تجارتی اور صنعتی دُنیا سے ہو بہو اصطلاحات مستعار لینے پر ہی اکتفا کیا ہے، اور انہیں استعمال کر کے وہ داخلی طور پر اس بات کے مشاہدے میں ناکام رہے ہیں کہ یہ اصطلاحات اپنے تنگ دائرۂ کار میں رہتے ہوئے معنوی طور پر بھی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پس اگر چہ اس بات کا مکمل علم بھی ہو کہ منافع اور کرایہ جات محض ذیلی تقسیمیں ہی ہیں، یعنی مصنوعہ کے اس عدمِ ادا حصے کے ٹکڑے جن کو مالک (جو اس کا پہلا حصول کنندہ ہوتا ہے، اگر چہ وہ اُس کا حتمی مالک و مختار نہیں ہوتا) تک پہنچانے کا مزدور پابند ہوتا ہے؛ تاہم کلاسیکی سیاسی معاشیات نے بھی کبھی نفع اور لگان کے طے شدہ نظریوں سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی؛ اور نہ مصنوعہ کے اس عدمِ ادا حصے کو مجموعی طور پر جاننے کی کوشش ہی کی ہے؛ اور ان کی واضح ترین توضیح و تشریح میں بھی اسی وجہ سے انہیں نہ صرف اس کی بنیاد اور نوعیت کی رو سے بلکہ ان قوانین کی رو سے بھی جو اس کی قدر کے اجزائے ترکیبی کی تعیین کرتے ہیں، اب تک ناکامی کا سامنا ہے۔ اسی طرح زراعت اور دستکاری کے علاوہ ہر صنعت ناقابلِ تخصیص طور پر "Manufacture" (مشینی پیداوار) کی اصطلاح کے تحت آجاتی ہے۔ اسی وجہ سے معاشی تاریخ کے دو بنیادی ادوار میں آ کر یہ تخصیص محو ہو جاتی ہے_ ان میں سے ایک دور مخصوص انداز کی مصنوعات سازی کا ہے جس کی بنیاد دستی محن پر تھی اور دوسرا دور جدید صنعت کا جس کی بنیاد مشینری پر تھی۔ تاہم یہ بات از خود عیاں ہے کہ جو نظریہ جدید سرمایہ دارانہ پیداوار کو انسان کی معاشی تاریخ میں محض ایک دور کی حیثیت دیتا ہے؛ اسے ایسی اصطلاحات کو استعمال میں لانا چاہئے جو ایسے مصنفین کے استعمال میں نہ ہوں جن کے نزدیک پیداوار کی یہ بُنتر لافانی اور حتمی ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی لفظ مصنف کی تحریر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بے محل نہ ہو۔ لیکن اکثر یوں ہوا ہے کہ اقتباسات روایتی انداز میں متن میں اپنائے جانے والے نظرئے کی وضاحت کرتے ہیں۔ لیکن بعض وقت ایسا بھی ہوا ہے کہ معاشیات کے مصنفین کے متون کا حوالہ اس ضرورت کے تحت اور اس وقت دیا گیا جب کوئی مفروضہ پہلی مرتبہ واضح طور پر پیش کیا گیا۔ یہ کام صرف ان معاملات میں کیا گیا کہ جب حوالہ بننے والا مفروضے کی اہمیت اس وجہ سے ہو کہ یہ سماجی پیداوار اور اس دور کے مروج مبادلے کے انداز سے کس قدر قریب یا دور ہے؛ مزید یہ بھی ہے کہ اس کا خود مارکس کے نقطۂ نظر سے اور نہ اس کے علاوہ اُس کی عمومی درستی کے ساتھ ہی کوئی تعلق بنتا ہے۔ چنانچہ یہ اقتباسات رواں متن میں جاری مباحث کے لئے معاون کا کام کرتے ہیں جن کو سائنس کی تاریخ سے اخذ کیا

گیا ہے۔

ہمارا ترجمہ اس کتاب کی صرف پہلی جلد کا احاطہ کرتا ہے۔ لیکن یہ پہلی جلد بھی کافی حد تک ایک مکمل کتاب ہے اور اسے 20 بیس سال تک ایک مکمل کتاب ہونے کا درجہ حاصل بھی رہا ہے۔ دوسری جلد جس کے جرمن متن کی ترتیب و تدوین 1885 کو میرے ہاتھوں ہوئی واضح طور پر تیسری جلد کے بغیر نامکمل ہے جس کی اشاعت 1887 سے پہلے ناممکن ہے۔ جب تیسری جلد اپنے بنیادی جرمن متن کے ساتھ منظرِ عام پر لائی جائے گی تب ہی اس بارے میں سوچنا مناسب ہوگا کہ ان دونوں جلدوں کا انگریزی ترجمہ کیا جائے۔

"Das Kapital" داس کیپی ٹال کو اس برِاعظم میں ''مزدور طبقے کی انجیل'' قرار دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کتاب میں جو جو نتائج اخذ کئے جا رہے ہیں وہ مزدور طبقے میں جاری تحریک کے بنیادہ اصول بنتے جا رہے ہیں۔ یہ عمل نہ صرف جرمنی اور سویٹزرلینڈ میں جاری ہے بلکہ فرانس، ہالینڈ، بیلجیم، امریکہ حتیٰ کہ اٹلی اور اسپین میں بھی برابر چل رہا ہے۔

اور انگلستان میں کارل مارکس کے نظریات نے آج بھی سماجی تحریک پر بڑا زبردست اثر ڈالا ہے اور یہ تحریک ''تہذیب یافتہ'' لوگوں میں بھی اُتنی ہی مقبول ہوئی ہے جتنی قبولیت اسے مزدور طبقے میں ملی۔ وہ وقت بڑی تیزی سے آ رہا ہے جب انگلستان کی معاشیاتی صورتِ حال کا ایک مبسوط تجزیہ اپنے آپ کو ناقابلِ اختلاف قومی ضرورت کے بطور یقینی بنا لے گا۔ اس ملک کے صنعتی نظام کی چلت جو پیداوار کے مسلسل اور تیز تر پھیلاؤ اور اس کے نتیجے میں منڈیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے بغیر ممکن نہیں اب ساکت و بے جان ہو رہی ہے۔ آزاد تجارت اپنے وسائل زائل کر چکی ہے؛ حتیٰ کہ مانچسٹر کو بھی شک ہے آیا یہ اس کا سابقہ معاشی صحیفہ ہے 2۔ تیزی سے ارتقا پاتی ہوئی بیرونی تجارت، channel کے اس پار بھی، نہ صرف وقف بلکہ غیر جانبدار منڈیوں میں بھی انگلستانی پیداوار کا مُنہ تک رہی ہے۔ جب پیداواری قوت پیمائشی تناسب کے انداز میں بڑھے تو منڈیوں کا پھیلاؤ بہت حد تک حسابی تناسب کے انداز میں ہوگا۔ جماؤ، بہبود، ضرورت سے زیادہ پیداوار اور بحران کا دس سالہ چکر جو 1825 سے 1867 تک متواتر جاری ہے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اپنی معیاد پوری کر چکا ہے، مگر محض ہمیں ایک سخت ازلی دباؤ کی دلدل میں دھکیلنے کے لئے۔ بہبود کے ماحول میں لیا جانے والا سکون کا سانس کبھی نہیں آنے والا؛ جیسے ہم اکثر اس کی متوقع علامات کی بو سونگھ لیتے ہیں؛ یہ ہمیشہ کی طرح اب بھی ہوا میں تحلیل ہو جائے گا۔ اسی اثنا میں گزرنے والا ہر جاڑا اس سوال کو ایک بار پھر تازہ کر دیتا ہے کہ ''بے روزگاری کا کیا حل نکالا جائے''، جبکہ بے روزگاروں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو اس سوال کا جواب دینے والا کوئی نہیں۔ اور ہم تو محض اس وقت ہی کا اندازہ کر سکتے ہیں جب بے روزگار ہمت ہارتے ہارتے اپنے مقدر کا مختار بن جائے گا۔ یقیناً ایسے وقت میں اُس

شخص ہی کی آواز سُنی جائے گی جس کے نظریات انگلستان کی معاشیاتی تاریخ اور صورتِ حال کے ایک عمر کے مطالعے کا نچوڑ ہیں۔ اور یہ اُس کے مطالعے ہی کا ہاتھ ہے جس سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ کم از کم یورپ میں انگلستان واحد ایسا ملک ہے جہاں پر ناگزیر سماجی انقلاب مکمل طور پر پُر امن اور قانونی ذرائع سے بپا کیا جا سکتا ہے۔ وہ یقیناً اس بات کا اضافہ کرنا نہ بھولا کہ اُسے مشکل ہی سے توقع ہے کہ انگریز حکمران طبقے سوائے 'غلامی کی حامی بغاوت' کے اس پر امن اور قانونی انقلاب کے آنے کو تسلیم کریں گے۔

5 نومبر 1886۔

فریڈرک اینگلز

حواشی

1۔ "La Capital," par Karl Marx. Tradution de M. J. Roy, Entire'ment revise'e par l'auteur. Paris. Lachatre. یہ ایڈیشن، خاص طور پر کتاب کے آخری حصہ میں، دوسرے جرمن ایڈیشن کے بہت سے اضافے اور تبدیلیاں شامل ہیں۔

2۔ مانچسٹر کے ایوان صنعت وتجارت کے چار ماہی اجلاس میں، جو آج سہ پہر منعقد ہوا، آزاد تجارت پر گرما گرم بحث ہوئی۔ ایک قرارداد پیش کی گئی جس میں کہا گیا کہ ''چالیس سال تک بے کار انتظار کرنے کے بعد، کہ ان میں کوئی اور قوم انگلستان کی آزاد تجارت کی پیروی کرے گی، یہ ایوان سمجھتا ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اس صورت پر دوبارہ غور کیا جائے۔'' یہ قرارداد صرف ایک ووٹ کے فرق سے نامنظور ہوئی۔ Evening Standard,

نومبر 1، 1886

فریڈرک اینگلز

کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز
کے تحریر کردہ

جرمن اور فرانسیسی اشاعتوں کے دیباچے اور اختتامیے

Prefaces and Afterwords

by Karl Marx and Fredrick Engles

to the German and French Editions

پہلی جرمن اشاعت کا دیباچہ

Preface to the First German Edition

یہ تصنیف جس کی پہلی جلد عوام کے سپرد کر رہا ہوں میری اسی تصنیف کا سلسلہ ہے جو "Zur Kritik der Politichen Oekonomie" کے نام سے 1859 میں شائع ہو چکی ہے۔ پہلے حصے کے اور اس کے سلسلے کے درمیان جو اتنا لمبا وقفہ آ گیا، اس کی وجہ لگا تار کئی سال کی بیماری ہے جو بار بار میرے کام میں خلل ڈالتی رہی۔

پہلے کی تصنیف کا نچوڑ موجودہ جلد کے پہلے باب میں خلاصہ کر کے دے دیا گیا ہے۔ غرض صرف اتنی نہیں تھی کہ سلسلہ قائم رہے اور تکمیل کر دی جائے، بلکہ اصل مضمون کا بیان بھی کچھ بہتر ہوا۔ جہاں تک اور جیسے بھی حالات نے اجازت دی، ایسے کئی نکات جنہیں پہلے کی تصنیف میں صرف چھیڑا گیا تھا، یہاں زیادہ بھرپور طریقے سے آتے ہیں اور اس کے برخلاف جو نکات وہاں زیادہ تفصیل سے بیان ہوئے تھے موجودہ جلد میں ان کا سرسری ذکر آیا ہے۔ قدر اور روپے کے نظریوں کی تاریخ پر جو باب وہاں لکھے، یہاں انہیں بالکل نہیں چھیڑا گیا۔ جو لوگ پہلے کی تصنیف پڑھ چکے ہیں انہیں موجودہ کتاب کے پہلے باب کے حاشیے پر کچھ اور ایسے حوالے ملیں گے جن کا تعلق قدر اور روپے کے نظریات کی تاریخ سے ہے۔

یہ بات کہ ابتدا مشکل ہوتی ہے، ہر علم کے بارے میں صحیح ہے۔ چنانچہ پہلا باب اور اس کی بالخصوص وہ فصل جس میں شے کا تجزیہ کیا گیا ہے، پڑھنے والے کو سب سے زیادہ مشکل نظر آئے گا۔ وہاں بھی خاص طور پر اتنا بیان جہاں قدر کی اصلیت اور اس کی وسعت سے بحث کی گئی ہے، جہاں تک مجھ سے بن پڑا، میں نے عام فہم [1] بنایا۔ ”قدر کی بُنتر“ جس کی پوری ترقی یافتہ شکل ”روپے کی بُنتر“ ہے بہت ہی ابتدائی اور سادہ ہوتی ہے، لیکن انسانی ذہن

کواس کی بنیاد میں اُترنے کی بے فائدہ کوشش کرتے دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ دوسری جانب جو شکلیں زیادہ مرکب اور زیادہ پیچیدہ تھیں ان کا کم از کم قریب قریب کامیاب تجزیہ کر لیا گیا۔ وجہ یہ کہ مجموعی ساخت کے لحاظ سے اگر جسم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ مطالعہ آسان ہے لیکن اسی جسم کے خلیوں کا الگ الگ مطالعہ مشکل ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ معاشی شکلوں کے تجزئے میں نہ تو خوردبین کام آتی ہے، نہ ہی کیمیائی مادوں کی تاثیر سے کام لیا جاتا ہے۔ دونوں کی جگہ مطلق کُلیوں کا زور چلتا ہے۔ محنت سے تیار ہونے والے سامان کی یہ شکل کہ وہ مال ہے، یا یہ کہ ہر ایک مال میں قدر کی بُنتر موجود ہے، یہی بورژوازی سماج کا معاشی خُلیہ ہے۔ سرسری نظر ڈالنے والے کے نزدیک ان شکلوں کا تجزیہ بال کی کھال نکالنا معلوم ہوگا۔ اور اصل میں یہاں واسطہ بھی بال کی کھال ہی سے ہے، لیکن یہ اس قسم کی باریکی ہے جیسی خوردبین سے جسم کے رگ و پے میں دیکھی جاتی ہے۔

پس اس جلد میں جہاں قدر کی بُنتر پر بحث کی گئی ہے، اس فصل کے علاوہ کسی اور جگہ دشواری کا الزام نہیں لگے گا۔ البتہ اتنا ہے کہ میری نظر کے سامنے ایسا پڑھنے والا رہا جو نئی بات معلوم کرنے کے دھن میں ہو اور خود بھی اپنے ذہن پر زور ڈالتا ہو۔

طبعیات کا عالم مطالعے کے لئے یا تو ایسے مظاہر چنتا ہے جو بالکل نمونہ بن چکے ہوں اور ان پر باہر سے کسی اور طرح کا عمل دخل نہ ہو، خلل نہ پڑے، یا پھر جہاں تک ممکن ہوتا ہے وہ ان حالات تجربے کرتا ہے جن حالات میں وہ مظاہر اپنے معمول پر چلتے رہتے ہیں۔ زیرِ نظر تصنیف میں مجھے یہ جاننا تھا کہ سرمایہ دارانہ طبع پیداوار کیا ہے، اور اس طبعِ پیداوار کی نسبت مال کی تیاری اور مبادلے کے حالات و شرائط کیا ہیں۔ وہ سرزمین جہاں اس اندازِ پیداوار نے جڑ پکڑی، اب تک اس کی کلاسیکی شکل انگلستان ہے۔ اسی سبب سے میں نے اپنے نظریاتی خیال کو ابھرنے اور نکھرنے میں خاص نمونہ انگلستان ہی کو بنایا۔ اب اگر جرمن پڑھنے والا کندھے اُچکا کر کہے کہ انگریز صنعتی اور زراعتی مزدور کے حالات سے مجھے کیا سروکار، یا خوش فہمی سے اس زعم میں مبتلا ہو جائے کہ ہمیں اس سے کیا، جرمنی میں تو حالات اتنے بگڑے ہوئے نہیں ہیں، تو میں اس سے صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ ''روئے سخن تمہاری طرف ہے عزیز!''

اندرونی طور پر اصل سوال بذاتِ خود یہ نہیں کہ سرمایہ دارانہ پیداوار کے قدرتی قوانین کا جو نتیجہ سماجی مخاصمت کی صورت میں نکلتا ہے، یہ مخاصمت اوپر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے یا ابھی نیچے کی سطح پر ہے۔ اصل سوال تو خود ان قوانین کا ہے، ان رجحانات کا ہے جو ایک لازمیت کے ساتھ ایک اٹل نتیجے پر پہنچ کر رہتے ہیں۔ جو ملک صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ہوگا، وہ اپنے سے کم ترقی یافتہ ملک کے سامنے خود اپنے مستقبل ہی کی مثال پیش کرے گا۔

لیکن اس سے قطع نظر ایک اور بات: اگر جرمنوں میں سرمایہ دارانہ پیداوار کا چلن عام ہو چکا ہے (مثال

کے طور پر مخصوص کارخانوں میں) لیکن رنگ ڈھنگ انگلستان سے کہیں بدتر ہے، وجہ یہ کہ فیکٹری کے قوانین کی نگرانی جرمنی میں ناپید ہے۔ مغربی یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح ہم نے باقی تمام میدانوں میں صرف سرمایہ دارانہ پیداوار کے ترقی کرنے ہی سے اذیت نہیں اٹھائی، مصیبت یہ بھی ہے کہ ابھی یہ عمل پوری طرح پروان بھی نہیں چڑھا۔ نئے زمانے کی لعنتوں کے علاوہ وہ لعنتیں بھی ہمارے سر پر سوار ہیں جو اوپر کی نسلوں سے چلی آ رہی ہیں، اور جو نتیجہ ہیں اس کا کہ دقیانوسی طرزِ پیداوار بھی گردن ڈالے ساتھ ساتھ جا رہا ہے اور اپنی پیٹھ پیچھے سماجی اور سیاسی انمِل بے جوڑ پن کی ایک پوری قطار کھینچے چل رہا ہے۔ ہم زندہ ہی سے ہلکان نہیں بلکہ ہمارے سر مردہ کا بھی بوجھ ہے۔ ''زندہ بدست مردہ!''

جرمنی کے اور خود مغربی یورپ کے سماجی اعداد و شمار کی ترتیب، انگلستان سے مقابلہ کر کے دیکھئے تو بہت پست حالات میں ملتی ہے۔ پھر بھی نقاب اتنا ضرور سرکا ہوا ہے کہ ہمیں میدازا Medusa کے سر کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔ اگر انگلستان کی جگہ یہاں بھی ہماری حکومتیں اور پارلیمنٹیں معاشی حالات کی جانچ پڑتال کے لئے وقتاً فوقتاً تحقیقاتی کمیشن بٹھایا کرتیں، اگر ان کمیشنوں کو اصلیت کی تہہ میں اترنے کے لئے وہی بے روک اختیارات حاصل ہوتے، اگر اس مقصد کے لئے ایسے لوگوں کا ملنا ممکن ہوتا جو انگریز فیکٹری کے معائنہ کاروں کی طرح اہل اور لائق بھی ہوتے، بے مروت، بے لوث، اور بے لاگ بھی ہوتے، انگلستان والوں کی طرح لوگوں کی صحت کے بارے میں میڈیکل رپورٹ دینے والے، عورتوں اور بچوں کے محن سے ناجائز فائدہ اٹھانے، مکان اور خوراک کی حالت کی چھان بین کرنے کے کمیشنوں کے ممبر موجود ہوتے تو ہمارے یہاں بھی ایسا خوفناک منظر نظر آتا جسے دیکھ کر ہم لرز اٹھتے ہیں۔ قصہ کہانیوں کی perseus نے جادو کی ٹوپی پہن رکھی تھی تا کہ شکار کرتے وقت دیوا سے دیکھ نہ سکے۔ ہم لوگوں نے جادو کی اس ٹوپی سے آنکھ کان ڈھانپ رکھے ہیں تا کہ بھوت یا دیو کا گمان ہی نہ گزرنے پائے۔

اس جگہ ہمیں خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ اٹھارویں صدی میں ہوا کہ امریکہ کی جنگِ آزادی نے یورپی درمیانی طبقے کے لئے بگل بجا دیا تھا، اب انیسویں صدی میں امریکہ کی خانہ جنگی نے یورپ کے مزدور طبقے کے لئے بگل بجا دیا ہے۔ انگلستان میں سماج کے عناصر کا بکھراؤ نظر کے سامنے بڑھتا جا رہا ہے۔ جب وہ بڑھتے بڑھتے ایک حد کو پہنچے گا تو یورپ پر بھی اثر انداز ہوگا۔ خود مزدور طبقے کی ترقی جس درجے پر ہوگی اسی کے مطابق یورپ میں یہ بکھراؤ زیادہ ظالمانہ یا زیادہ انسان دوستی کی شکل اختیار کرے گا۔ اس لئے اعلیٰ مقصد کے علاوہ کچھ ایسے فوری اور اہم مفاد وقتی طور پر حکمران طبقوں کے سامنے ہوتے ہیں جو ان کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ مزدور طبقے کی آزادانہ اٹھان کی راہ میں جو رکاوٹیں ایسی ہیں کہ قانونی طور پر دور کی جا سکیں وہ ان تمام رکاوٹوں کو دور

کر دیں۔ خاص اس سبب سے کہ اور بھی وجوہات بھی ہیں میں نے موجودہ جلد میں اتنی زیادہ جگہ دے کر انگلش فیکٹری قانون سازی کی تاریخ، تفصیل اور اس کے نتیجوں کو بیان کیا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم سے سیکھ سکتی ہے اور اسے سیکھنا بھی چاہیے۔ جب کوئی سماج اپنی حرکت ورفتار کے قدرتی قانون کا پتا چلانے میں صحیح سمت پر چل رہا ہو، اور اس تصنیف کا منشا یہی ہے کہ موجودہ سماج کی حرکت کا معاشی قانون کھول کر پیش کر دیا جائے، تب بھی یہ ممکن نہیں کہ لمبی چھلانگیں لگا کر یا قانون سازی کے ذریعے ان رکاوٹوں کو پار کر جائے جو خود ہی عام اٹھان کے یکے بعد دیگرے آنے والے کئی مرحلوں نے کھڑی کر دی ہیں۔ وہ صرف اتنی ہی تدبیر کر سکتا ہے کہ دردِ زہ کی شدت یا مدت کم کر دی جائے۔

یہاں غلط فہمی ہو سکتی ہے، اسی کے تدارک کے لیے چند لفظ اور۔ میں نے سرمایہ دار یا جاگیر دار کی تصویر کھینچنے میں کسی طرح کی رنگ آمیزی نہیں کی۔ افراد سے ہمارا واسطہ یہاں صرف اتنا ہے جتنا اُن کا وجود مختلف معاشی تجسیموں کو ظاہر کرتا ہے، یا ان کے دم سے خاص طبقاتی تعلق یا طبقاتی مفادوں اور مصلحتوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔ وہ نقطۂ نظر جس سے میں نے سماج کی معاشی تشکیل کے ارتقا کو قدرتی تاریخ کا ایک عملِ مسلسل سمجھ کر دیکھا ہے، وہ کسی ایک شخص کو دوسرے سے کم ذمہ دار قرار نہیں دیتا ان تعلقات کا جنہوں نے سماجی طور پر خود اسے بھی جنم دیا، چاہے وہ شخص اندر سے خود کو ان تعلقات سے کتنا ہی بلند و برتر کیوں نہ سمجھتا ہو۔

سیاسی معاشیات کے دائرے میں آزادانہ علمی تلاش کو صرف انہی دشمنوں سے واسطہ نہیں پڑتا جو دوسرے دائروں میں موجود رہتے ہیں۔ جس مواد سے اس کا سابقہ پڑتا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ یہ میدانِ جنگ میں انسانی فطرت کے نہائت کٹر، سنگین، نیچ اور کمینے جذبات کو ابھار کر لے آتا ہے، یعنی ذاتی مفاد کے غیظ و غضب کو۔ انگلستان کا کلیسائے اعلیٰ وغیرہ اپنے ایمان کے 39 ارکان میں سے 38 پر تو حملہ آسانی سے معاف کر دیتا ہے بہ نسبت اس کے کہ اپنی آمدنی کے 39 ویں حصے پر آنچ آنے دے۔ آج کل خدا سے انکار کرنا موجودہ ذاتی ملکیت کے تعلقات پر نکتہ چینی کرنے کے سامنے معمولی سا گناہ رہ گیا ہے۔ ان سب کے باوجود بات آگے بڑھی ہے۔ میں یہاں، مثال کے طور پر، اس نیلی کتاب کا حوالہ دوں گا جو چند ہفتے قبل شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے: "Correspondence with Her Majesty's Missons Abroad, regarding Industrial Questions and Trades' Unions." تاجِ برطانیہ کے نمائندے دوسرے ملکوں میں بیٹھے ہوئے لفظوں کی بھرمار کے ساتھ اعلان کر رہے ہیں کہ جرمنی میں، فرانس میں مختصر یہ کہ برِاعظم یورپ کی تمام مہذب ریاستوں میں سرمایہ اور محنت کے موجودہ تعلقات میں ویسی ہی بڑی اُلٹ پلٹ کے آثار یقینی نظر آرہے ہیں جیسے انگلستان میں ہو چکی ہے۔ اسی زمانے میں بحرِ اوقیانوس کے دوسرے کنارے پر ریاست ہائے متحدہ

امریکہ کے نائب صدر مسٹر ویڈ عام جلسوں میں اعلان کر رہے ہیں کہ غلامی کے خاتمے کے بعد سرمایہ اور زمینی جائیدار کے تعلقات میں زبردست تبدیلی آنے والی ہے۔ یہ ہیں زمانے کی وہ نشانیاں جنہیں نہ تو گرجا کے وعظ چھپا سکتے ہیں، اور نہ زبردست کا گھونسا دبا سکتا ہے۔ یہ اس بات کے آثار نہیں کہ کل کوئی معجزہ ظہور میں آنے والا ہے۔ ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود اختیار طبقوں کے اندر لوگوں کو کل کی فکر پڑی ہوئی ہے اور یہ کہ آج کا سماج کوئی ایک حالت میں رہنے والی ٹھوس چیز نہیں، بلکہ ایک متحرک جسم ہے تبدیلی کی صلاحیت رکھنے والا، ایسا کہ برابر بدلتا رہتا ہے۔

اس تصنیف کی دوسری جلد میں سرمائے کی گردش کے عمل پر بحث کی جائے گی (کتاب دوم) اور سرمائے نے اپنی اٹھان کی زمین میں کیا کیا شکلیں اختیار کی ہیں (کتابِ سوم) تیسری اور آخری جلد (کتابِ چہارم) میں نظرئے کی تاریخ بیان کی جائے گی۔

عملی تنقید کی بنا پر جو بھی رائے دی جائے میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اور جسے رائے عامہ کہا جاتا ہے، جہاں تک اس کے تعصّبات کا تعلق ہے، جن کے ساتھ میں نے کبھی رعایت نہیں برتی، ان سے پہلے کی طرح اب بھی میں فلورینتی جملے کی زبان میں یہی کہتا ہوں: ''اپنا راستہ لو، جو کہتے ہیں انہیں کہنے دو!'' (دانتے کی "Divine Comedy" کے الفاظ۔)

لندن، 25 جولائی 1867

کارل کارکس.

حواشی

1۔ یہ زیادہ ضروری ہے، جیسا کہ فرڈیننڈ لاسال کی کتاب، جو شلز۔ ڈیلیٹزش کے جواب میں لکھی گئی تھی، کے کچھ حصے جن میں وہ ان موضوعات کی میری دے گئی تشریحات کا نچوڑ دینے کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن اس میں بہت زیادہ اغلاط ہیں۔ اگرچہ فرڈیننڈ لاسال نے تقریباً لفظ بلفظ میری تحریروں سے نقل کیا ہے اور کوئی حوالہ بھی نہیں دیا، اس کی معاشیات میں تمام کے تمام عمومی نظریاتی مفروضے، مثال کے طور پر، سرمائے کا تاریخی کردار، پیداوار کی شرائط اور طبع پیداوار میں تعلق، وغیرہ، حتیٰ کہ میری اختراع کی گئی اصطلاحات بھی نقل کی گئی ہیں۔ شائد یہ پراپیگنڈے مے مقصد کے تحت ہے۔ یقینی بات ہے کہ ان مفروضوں کی تفصیلی تشریح اور ان کے لاگو کیے جانے سے مجھے یہاں کوئی سروکار نہیں۔

دوسری جرمن اشاعت کا تتمہ

Afterword to the Second German Edition.

آغاز میں لازم ہے کہ پہلی اشاعت کے قارئین کو ان تبدیلیوں سے روشناس کراؤں جو دوسری اشاعت میں کی جارہی ہیں۔ممکن ہے کہ کتاب کی زیادہ صاف اور واضح ترتیب کسی کے لئے الجھن کا باعث بنے۔اضافی حواشی کو ہر جگہ پر ''حواشی جلدِ سوم'' سے نشان زد کیا گیا ہے۔متن کے لحاظ سے اہم نکات حسبِ ذیل ہیں:

باب I فصل 1، میں قدر کو اُن مساواتوں کے تجزیئے سے اخذ کیا گیا ہے جس کے ذریعے ہر مبادلی قدر اظہار پاتی ہے اب اس میں زیادہ سائنسی چابکدستی سے کام لیا گیا ہے۔اسی طرح قدر کی ماہیت اور قدر کے اجماع_ جس کی تعیین سماجی طور پر ضروری عرصۂ محن کے ذریعے کی جاتی ہے_ کے مابین ربط، جس کو پہلی اشاعت میں محض چھیڑا ہی گیا تھا اب اس پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔باب I فصل 3 (قدر کی بُنتر) کو از سرِ نو ترتیب دیا گیا ہے؛ اگر اور کچھ نہیں تو اس امر کی ضرورت پہلی اشاعت میں دوہری صراحت کی وجہ سے پیش آئی__ مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ اس دوہری تصریح کی نشاندہی میرے ایک دوست Dr. L. Kugelmann نے کی تھی، جو Hanour میں رہائش پذیر ہے۔یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں 1867 کی بہار میں اس سے ملنے گیا ہوا تھا کہ Hamburg سے مجھے نظرِ ثانی کے لئے پہلا مسودہ موصول ہوا تو اُس نے مجھے قائل کیا کہ بہت سے قارئین ایسے ہیں جن کو قدر کی بُنتر کے سلسلے میں زیادہ تشریحی معاونت کی ضرورت ہے۔پہلے باب کی آخری فصل ''استصنامِ اشیاء'' میں بھی کافی حد تک ردوبدل کرنا پڑا۔باب III فصل 1. (قدر کی پیمائش) کی بھی محتاط انداز میں نوک پلک کی گئی ہے، کیونکہ پہلی اشاعت میں اس کو قریب قریب نظر انداز کر دیا گیا تھا؛ قارئین کے لئے اُن تشریحات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جو برلن سے چھپنے والی کتاب "Zur Kritik der Politischen Oekonomie" میں پہلی سے موجود ہیں۔باب VII خاص طور پر اس کا دوسرا حصہ [انگریزی اشاعت کا باب IX، فصل 2) کو بھی تقریباً مکمل طور پر نئے سرے سے ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔

متن میں کی جانے والی اُن جزوی تبدیلیوں کی تفصیل میں جانا محض وقت کا ضیاع ہوگا جن میں اکثر اسلوبیاتی تھیں۔ایسی تبدیلیاں پوری کتاب میں چلتی ہیں۔تاہم اب پیرس سے شائع ہونے والا فرانسیسی ترجمہ دیکھنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ بنیادی جرمن کتاب مکمل طور پر نظرِ ثانی کا تقاضا کرتی ہے؛ کچھ حصوں میں

خالصتاً اسلوبیاتی ترامیم واضافوں کی ضرورت ہے اور بعض حصے ایسے بھی ہیں جن میں سہوی اغلاط کا تدارک لازم ہے۔ لیکن ان سب کے لئے وقت نہ تھا کیونکہ مجھے 1871 کے خزاں میں آگاہ کیا گیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب دیگر کئی ضروری مصروفیات کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی تھا کہ کتاب بِک چکی تھی اور جنوری 1872 کو کتاب کی دوسری اشاعت بھی متوقع تھی۔

جو پذیرائی "Das Kapital" کو جرمنی کے وسیع مزدور طبقے میں حاصل ہوئی وہی میری تمام محنتوں کا پھل ہے۔ ویانا کا ایک کارخانہ دار Herr Mayer جو معاشی معاملات میں بورژوازی نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتا ہے فرانکو جرمن جنگ کے دوران جاری ہونے والے ایک جریدے میں اُس نے اِس تصور کی تشہیر کی ہے کہ اس نظرئے کے لئے عظیم اہلیت جس کو جرمن کی پیدائشی ملکیت سمجھا جاتا ہے، اب جرمن کے نام نہاد پڑھے لکھے طبقے میں معدوم ہو چکی ہے لیکن اس کے برخلاف مُلک کے مزدور طبقے میں یہی اہلیت نشاۃِ ثانیہ حاصل کر رہی ہے۔

جرمنی میں ابھی تک سیاسی معاشیات ایک بدیسی علم ہے۔ اپنی کتاب 1 "Historical Description of Commerce, Industry." میں بالخصوص 1830 میں چھپنے والی اس کتاب کی پہلی دو جلدوں میں اس کتاب کے مصنف Gustav von Gulich نے اُن تاریخی عوامل کا جائزہ لیا ہے جن کی وجہ سے جرمنی میں سرمایہ دارانہ طرزِ پیداوار اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جدید بورژوازی سماج کی ترقی رُک گئی۔ پس وہ زمین جس سے سیاسی معیشت کا سوتہ پھٹتا ہے ابھی تک تیار نہ تھی۔ اس ''علم'' کو انگلستان اور فرانس سے بنے بنائے اصول کے بطور درآمد کرنے کی ضرورت تھی، جبکہ اس ''علم'' کے جرمن پروفیسر ابھی طفلِ مکتب ہی تھے۔ اور اس بدیسی سچائی کی تشریح و توضیح اُن کے ہاتھ میں چلی گئی یعنی مذہبی عقائد کے ایک جتھے میں؛ اور اس کی توضیح اُنہوں نے اپنے اردگرد کی معمولی سی تجارتی دُنیا کے نظریات کے مطابق کی، چنانچہ یہ گمراہ کُن ثابت ہوئی۔ سائنسی خصی پن کا احساس_ ایسا احساس جو کو مکمل طور پر دبایا نہ جا سکتا تھا_ اور ایک ایسے موضوع پر طبع آزمائی کرنے کا اُلجھا ہوا شعور جو اُن کے لئے درحقیقت بدیسی تھا، بمشکل چھپایا جا سکا۔ اس کو چھپانے کے لئے کبھی تو ادبی اور تاریخی علیت کا سہارا لیا گیا اور کبھی Kameral علوم سے مواد ادھار لیا گیا۔ یہ وہ سطحی قسم کے علم کا پٹارہ ہے جس کے عذاب سے جرمن افسر شاہی کے ہر امیدوار کو گذرنا پڑتا ہے۔

1848 سے سرمایہ دارانہ اندازِ پیداوار نے جرمنی میں بڑی تیزی سے ترقی کی ہے، اور اب یہ سٹے بازی اور دھوکا بازی کے پورے عروج پر ہے۔ مگر مقدر ابھی تک ہمارے پیشہ وار معیشت دانوں کے حق میں نہیں ہے۔ جس وقت وہ سیاسی معاشیات کو بڑے سیدھے سادے انداز میں سمجھ سکتے تھے، اس وقت جرمنی میں جدید معاشی حالات میسر نہ تھے۔ پھر جیسے ہی ان حالات کا ظہور ہوا تو یہ ایسے حالات تھے جو اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے کہ ان کی

چھان بین اُن حدودوقیود کے اندرغیر جانب داری سے کیا جا سکے جو بورژوازی نے مسلط کی تھیں۔ سیاسی معاشیات اُن حدودوقیود کے اندر محض اس وقت تک رہتی ہے جب تک سرمایہ دارانہ نظامِ حکومت کواس کے ارتقا کے ایک درجے کے بجائے سماجی پیداوار کی آخری، حتمی ہُنتر کے بطور لیا جانے لگے۔ سیاسی معاشیات محض اس وقت تک ہی سائنس رہ سکتی ہے جب تک طبقاتی جدوجہد مخفی ہو یا اپنے آپ کو بکھرے ہوئے نظریات کے بطور پیش کرے۔

ہم انگلستان کی مثال لیتے ہیں۔ اس [ملک] کی سیاسی معاشیات کا تعلق اُس عہد سے بنتا ہے جب طبقاتی جدوجہد ابھی تک غیر ارتقا یافتہ تھی۔ اس کا آخری عظیم نمائندہ ریکارڈو آخر میں طبقاتی مفادات کے تضادات، اُجرت اور نفع، نفع اور لگان وغیرہ کو اپنی تحقیقات کا نقطۂ آغاز بناتا ہے، اور ان تضادات کو بڑے سادہ لوح انداز میں فطرت کے سماجی قانون کے بطور لیتا ہے۔ لیکن اس آغاز سے بورژوازی معاشیات کی سائنس اُن حدود تک پہنچ جاتی ہے جن کو عبور کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں۔ اس سے قبل ریکارڈو کی زندگی ہی میں اور اُس کی مخالفت میں اس نظریے پر سسمانڈی بھی تنقید کر چکا ہے۔ 2

1820 سے 1830 تک اختتام پذیر ہونے والا دور انگلستان میں سیاسی معاشیات کی سرزمین میں سائنسی سرگرمیوں کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب ریکارڈو کے نظریے کو ولگر بنایا گیا اور اسے وسعت دی گئی اور اسی دور میں ہی اس کا قدیم مکتبۂ فکر کے نظریات سے ٹکراؤ ہوا۔ عظیم الشان مناظروں کا اہتمام ہوا۔ اور اس سے جو نتیجہ نکلا اُس سے پورے برِعظیم کی آگاہی بہت کم ہے۔ کیونکہ اس پر جو مضامین تحریر ہوئے ہیں جو اس وقت کے ادبی رسائل اور جرائد میں بکھرے پڑے ہیں ان میں کافی تضاد نظر آتا ہے۔ اختلاف رائے کی غیر تعصّبانہ وضاحت — اگرچہ ریکارڈو کے نظریات میں خال خال بورژوازی معاشیات پر حملے کی صورتِ حال بھی پیدا ہو جاتی ہے — اس وقت کے حالات سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ ایک طرف تو جدید صنعت خود اپنی ابتدائی منازل سے باہر آ رہی تھی جیسا کہ اس بات کی وضاحت یہ حقیقت بھی کرتی ہے کہ 1825 کے بحران کی وجہ سے اس نے اپنی دائروی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ اور دوسری طرف سرمائے اور محن کے درمیان جاری طبقاتی کشمکش پس منظر میں دھکیل دی گئی۔ اس کی سیاسی وجہ یہ تھی کہ حکومتوں اور اس جاگیردارانہ اشرافیہ کی مخاصمت جو ایک تو مقدس اتحاد کے گرد جمع تھے اور دوسرے، عام لوگ جن کی قیادت بورژوازی کے ہاتھ میں تھی۔ معاشی وجہ صنعتی سرمائے اور اشرافیہ کے مابین زمین کی ملکیت کے حقوق کے بارے میں جھگڑا تھی۔ یہ ایسا جھگڑا تھا جو فرانس میں چھوٹی اور بڑی زمینی جائیداد کے مابین جھگڑے کی بنا پر چھپ گیا؛ اور انگلستان میں یہی جھگڑا قانون برائے غلہ کے بعد سے کھلے عام پھوٹ پڑا۔ انگلستان میں سیاسی معاشیات کا یہ ادب اِس وقت فرانس میں ڈاکٹر کویزنے کی موت کے بعد طوفان

خیز رفتی تحریک کی یاد دلاتا ہے، لیکن بالکل اس انداز میں جیسے سینٹ مارٹن کی گرمی ہمیں بہار کی یاد دلاتی ہے۔ سال 1830 کے ساتھ ہی ایک فیصلہ کُن بحران کا سامنا ہوا۔

فرانس اور انگلستان میں بورژوازی نے سیاسی قوت پر فتح پا لی۔ پھر اس کے بعد طبقاتی جدوجہد نے عملی اور نظریاتی ہر دو سطح پر سخت اور دھمکی آمیز شکل اختیار کر لی۔ اس سے سائنسی بورژوا معاشیات کی موت کی خبر ملتی تھی۔ تب ہی سے یہ کوئی سوال نہ رہا کہ آیا یہ نظریہ ٹھیک ہے یا وہ، یا پھر یہ کہ کیا یہ سرمائے کے لئے مفید ہے یا مضر، سیاسی طور پر نفع بخش ہے یا غیر نفع بخش۔ غیر جانب دار محققین کی جگہ کرائے کے بلوان کام کرتے تھے؛ اصل سائنسی تحقیق کی جگہ گھٹیا باضمیری اور بے جا معذرت گزاری نے لے لی۔ اس کے باوجود فضولیات سے پُر جرائد جن کی فراوانی سے قانون غلہ مخالف لیگ نے، کوبڈن اور برائٹ کی رہنمائی میں، دنیا کو بھر دیا، تاریخی اہمیت رکھتے ہیں اگرچہ ان کی سائنسی اہمیت کچھ بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں زمین کی مالک اشرافیہ کے خلاف بحث مباحثہ ہے۔ لیکن اس وقت سے جب سر رابرٹ پیل کے آزاد تجارت کی بابت قانون کی وجہ سے ولگر معاشیات اس آخری خوبی سے بھی محروم ہو گئی۔

1848-9 کی برِ اعظمی تحریک کا ردِ عمل انگلستان میں بھی دیکھنے کو ملا۔ وہ لوگ جو ابھی تک سائنسی نقطہ نظر کا دعویٰ کرتے تھے، اور جن کی خواہش یہ تھی کہ وہ حکمراں طبقے کے سوفسطائیوں اور خوشامدیوں سے کچھ بڑھ کر بن جائیں، اب اُنہوں نے سرمائے کی سیاسی معاشیات کو پرولتاریہ کے دعووں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش شروع کر دی، جسے مزید نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پس جان سٹیورٹ مل کا خالی انداز سے مختلف مکاتیب کو جوڑنے کی کوشش syncretism اس رجحان کا بہترین نمائندہ ہے۔ بورژوازی معاشیات کے تئیں یہ [علمی] دیوالیہ پن کا بیان ہے؛ یعنی ایک ایسا واقعہ جس پر عظیم روسی سکالر اور نقاد N. Tschernyschewsky نے اعلیٰ ذہنی کاوشوں سے اپنی کتاب "Ourline of Political Economy according to Mill" میں بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

تاہم جرمنی میں سرمایہ دارانہ اندازِ پیداوار اپنے عروج تک پہنچ گیا؛ جب اس کا مخاصمانہ خاصہ پہلے ہی انگلستان اور فرانس میں اپنے آپ کو طبقات کے خوف ناک ٹکراؤ کی صورت میں روشناس کرا چکا تھا۔ مزید یہ کہ، اس دوران جرمنی کا پرولتاری طبقہ اُس سے کہیں واضح طبقاتی فہم حاصل کر چکا تھا جتنا کہ جرمن کے بورژوازی طبقے کو تھا۔ پس اُسی لمحے سیاسی معاشیات کی بورژوا سائنس کا امکان کم از کم جرمنی میں روشن ہو گیا تو درحقیقت یہ ایک بار پھر ناممکن ہو کر رہ گیا۔

ان حالات میں اس [علم] کے پروفیسر دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک دنیادار عیار عملی کاروبار کرنے

والوں کا گروہ Bastiat کے جھنڈے تلے جمع تھا۔ یہ صاحبان بہت ہی سطحی علم کے حامل تھے چنانچہ ان کو ولگر معاشیات کا رکھوالا گروہ کہا جا سکتا ہے۔ دوسرا گروہ اپنے علم کی پروفیسرانہ عظمت پر بہت نازاں تھا اور اس گروہ نے جان سٹیورٹ مِل کی پیروی کرتے ہوئے ایسے نظریوں کو جوڑنے کی کوشش کی جن کا اکٹھا کرنا ممکن نہ تھا۔ بورژوا معاشیات کے عہدِ زرّیں کی طرح اس کی تنزلی کے عہد میں بھی اہلِ جرمنی طفلِ مکتب، نقال اور مقلدین، پرچون فروش اور بڑھ بولے ہی رہے۔ یہ سب کچھ بیرونی تھوک فرش اداروں کی خدمت میں تھا۔

جرمن سماج کے مخصوص تاریخی ارتقا نے ملک میں اسی وجہ سے بورژوازی معاشیات کے سلسلے میں ہونے والے تمام بنیادی کام پر تو روک لگا دی مگر اس معیشت کی تنقید پر کوئی پابندی عائد نہ کی۔ جہاں تک اس طرح کی تنقید کا کسی طبقے کی نمائندگی سے تعلق ہے تو یہ محض اُس طبقے کو پیش کر سکتی ہے جس کی تاریخ میں موجودگی ایک تو سرمایہ دارانہ طبعِ پیداوار کا زیروزبر ہوتی ہے اور حتمی طور پر تمام طبقات کا خاتمہ ___ یہ طبقہ ہے پرولتاریہ۔

جرمن بورژوازی طبقے کے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ نمائندوں نے پہلے تو "Das Kapital" کو خاموشی سے کچلنا چاہا؛ یعنی جو سلوک اُنہوں نے میری ابتدائی تحریروں کے ساتھ کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر جیسے ہی اُنہیں اس بات کا علم ہوا کہ اس قسم کے حربے حالات سے موافقت نہیں رکھتے، تو اُنہوں نے میری کتاب پر تنقید کی آڑ میں ''بورژوازی اذہان کو طمانیت بخشنے کے لئے'' تبصرے لکھنے شروع کر دئے۔ لیکن ان کو کارکنان کے چھاپا خانوں سے زیادہ مضبوط مخالفت کا سامنا ہوا، جن کے وہ (حتیٰ کہ اب بھی) جواب دہ ہیں؛ مثال کے طور پر *Volksstaat* میں چھپنے والے Joseph Dietzgen کے مضامین دیکھئے۔ 3

سال 1872 کے بہار میں "Das Kapital" کے ایک بہترین روسی مترجم کا پتا چلا۔ 3,000 ہزار کی تعداد میں چھپنے والی کتابیں قریب قریب ختم ہو چکی ہیں۔ یہ سال 1871 کے آغاز کی بات ہے کہ Kiev یونیورسٹی میں تدریسی فرائض سرانجام دینے والے سیاسی معاشیات کے ایک پروفیسر N. Sieber نے اپنی کتاب "David Ricardo's Theory of Value and of Capital," میں قدر، روپے اور سرمائے کے بارے میں میرے نظریات کا اس انداز میں حوالہ دیا ہے کہ یہ بنیادی طور پر سمتھ اور ریکارڈو کے نظریات کا لازمی تسلسل ہیں۔ اس کتاب میں آنے والی جس بات نے مغربی یورپ کو حیرت زدہ کیا وہ مصنف کا کتاب کے خالص نظریاتی پہلوؤں پر کامل دسترس ہے۔

Das Kapital کے بارے میں ہونے والی متضاد قیاس آرائیاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ جو طریقہ کار اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے اسے بہت کم سمجھا گیا۔

پس پیرس کے *Revue Positiviste* میں مجھ پر اس وجہ سے اعتراض اُٹھائے کہ میں نے اپنے آپ کو

مستقبل کے cook shops کے لئے رسیدیں لکھنے کے ایک طرف تو معاشیات کا مابعد الطبعیاتی جائزہ پیش کیا ہے جبکہ دوسری طرف _ اندازہ کریں! _ ٹھوس سچائیوں کو محض تجزیاتی تنقید تک محدود رکھا ہے۔ (comtist re metaphysicsones) میں اٹھائے جانے والے سوالات کے جواب میں پروفیسر سا ئبر نے کہا: ''جہاں تک یہ کتاب حقیقی نظریات کی بات کرتی ہے، اس سلسلے میں مارکس کا طریقۂ کار تمام انگلستانی مکتبۂ ہائے فکر کا استخراجی طریق کار ہے۔ یہ ایک ایسا مکتبۂ فکر ہے جس کی خوبیاں اور خامیاں تمام نظریاتی معیشت دانوں میں مشترک ہیں۔ مسٹر بلاک "Les Theoricien du Socialisme en Aout 1872" _ یہ دریافت کرتا ہے کہ میرا طریقۂ کار تجزیاتی ہے۔ وہ کہتا ہے: ''اس تصنیف کی وجہ سے مسٹر مارکس کا شمار یقیناً بہترین تجزیاتی اذہان میں ہوتا ہے۔'' جرمن مبصرین یقیناً ''ہیگلیائی سوفسطایت'' پر چیخ اُٹھتے ہیں۔ سینٹ پیٹر برگ کا یورپی پیغام رساں "Das Kapital" کے طریقۂ کار پر لکھے جانے والے ایک مضمون میں اس بات کا اعتراض کرتا ہے کہ میرا طریقۂ تفتیش خالصتاً حقیقی ہے، مگر بدقسمتی سے میرا انداز بیان جرمن جدلیاتی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے: ''اگر تجزیے کا دارومدار نظریے کے بیان کی خارجی بُنتر سے ہو تو بادی النظر میں مارکس عینیت پسند فلسفیوں میں سب سے زیادہ عینیت پسند ہے، یعنی جرمن مفہوم کے ساتھ، برے معنوں میں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ معاشیاتی تنقید کے سلسلے میں وہ اپنے تمام متقدمین سے کہیں زیادہ حقیقت نگار ہے۔ چنانچہ اسے کسی مفہوم میں بھی عینیت پسند (ہمیشہ جرمن زبان میں، یعنی لفظ کے غلط معنی لیتے ہوئے) نہیں قرار دیا جا سکتا۔ میں اس کی اپنی تنقید سے چند اقتباسات کی مدد لئے بغیر مصنف کے اعتراضات کا صحیح جواب نہیں دے سکتا، جس سے میرے ایسے قارئین کو دلچسپی ہو سکتی ہے جو روسی متن نہیں جان سکتے۔

میری کتاب *Critique of Political Economy* مطبوعہ برلن 1857 کے دیباچے کے صفحات iv، vii سے ایک اقتباس رقم کرنے کے بعد _ جہاں میں نے اپنے طریقۂ کار کی مادی بنیادوں پر بحث کی ہے _ مصنف کہتا ہے: ''وہ واحد چیز جو مارکس کے لئے کوئی اہمیت رکھتی ہے مظاہیر phenomena کے قانون کی دریافت ہے، اور اسی کی تحقیق و تفتیش کے ساتھ ہی اُسے سروکار ہے۔ اور نہ صرف وہ قانون اس کے لئے اہمیت رکھتا ہے جو ان مظاہیر کو منضبط کرتا ہے، کیونکہ یہ [مظاہیر] ایک خاص تاریخی عہد میں مخصوص بُنتر اور باہمی ربط رکھتے ہیں، مارکس کے لئے اس سے بھی زیادہ اہمیت ان قوانین کے تغیر اور تبدل کی ہے؛ یعنی ان کی ایک بُنتر سے دوسری بُنتر میں، اور روابط کی ایک لڑی سے دوسری بالکل مختلف لڑی میں تبدیلی۔ جب ایک بار یہ قانون ہاتھ آ جائے تو وہ اس بات کی مفصل تحقیق کرتا ہے کہ یہ سماجی زندگی پر کس طرح کے اثرات میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ مارکس صرف ایک مسئلے میں متفکر نظر آتا ہے کہ دقیق سائنسی تحقیقات کے ذریعے سماجی حالات کے باہم مربوط مگر ممیّز

ادوار کی لازمیت کو کیونکر اجاگر کیا جا سکتا ہے؛ اور جہاں تک ممکن ہو ایسے حقائق متعین کئے جائیں جو اُس کے لئے روائتی نقطۂ آغاز کا کام دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے محض اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بیک وقت چیزوں کی موجودہ لازمیت، اور ساتھ ساتھ ایک اور سلسلے کی لازمیت کو واضح کر دے جس میں پہلے سلسلے کا جانا ناگزیر ہے۔ اور ساتھ یہ بھی ہے کہ چاہے کوئی اس پر یقین کرے یا نہ کرے، یا اس سے آگاہ ہو یا نہ ہو۔ مارکس سماجی ترقی کو فطری تاریخ کے عمل کی حیثیت سے دیکھتا ہے جسے ایسے قوانیں منضبط کرتے ہیں جو نہ صرف انسانی مرضی، شعور اور ذہانت سے آزاد ہیں، بلکہ اس سے برعکس یہی تو اس کی مرضی، شعور، اور ذہانت کا تعین کرتے ہیں..... کسی تہذیب کی تاریخ میں اگر شعور کا عنصر محض واجبی سا ہو تو پھر یہ بات از خود عیاں ہے کہ ایک ایسی سماجی تحقیق جس کا موضوع تہذیب ہو تو، دوسری ہر چیز کے علاوہ، اس کی بنیاد میں شعور کی کوئی بُنتر شامل ہوگی اور نہ کوئی نتیجہ۔ کہنے کا مطلب یہ کہ اس سلسلے میں کوئی خیال کام نہیں آ سکتا بلکہ کوئی مادی مظہر ہی اس کے نقطۂ آغاز کا کام دے سکتا ہے۔ ایسی تحقیقات میں کسی حقیقت کی توضیح و تشریح کسی خیال سے نہیں بلکہ ایک دوسری حقیقت سے ہوتی ہے۔ ایسی تحقیق میں ضروری ہے کہ دونوں حقائق کی توثیق جس قدر ممکن ہو درست طور پر کی جائے، اور اس بات کی توثیق کی جائے کہ یہ دونوں حقائق ایک دوسرے کے لحاظ سے ایک ہی ارتقا کے دو مختلف حرکی اجزاء کیسے بن جاتے ہیں۔ لیکن سب سے اہم اِن سلسلوں کی بننے والی کڑی کا دقیق تجزیہ ہے، یعنی اس تواتر، اور ارتباط کا تجزیہ جس میں ایک ارتقا کے مختلف مدارج اپنے آپ کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ ضرور کہا جائے گا کہ معاشی زندگی کے عمومی اصول ہمیشہ ایک ہی رہتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ آج لاگو کئے گئے یا کل۔ اس کی مارکس کھلی تردید کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ایسے مجرد قوانین کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اُس کا نظریہ اس سے برعکس ہے، یہ کہ تاریخ کا ہر دور خود اپنے قوانین کا حامل ہے..... جونہی معاشرہ ارتقا کی ایک خاص حد عبور کر چکتا ہے، اور ایک درجے سے دوسرے درجے تک جا رہا ہوتا ہے تو یہ دوسرے قوانین کے زیر اثر بھی آ جاتا ہے۔ ایک لفظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاشی زندگی ہمیں ایسا مظہر فراہم کرتی ہے جو حیاتیات کی دوسری شاخوں میں ارتقا کی تاریخ سے مشابہ ہوتا ہے۔ قدیم معیشت دان جب معاشی قوانین کا ناتا فزکس اور کیمسٹری کے اصولوں سے بناتے ہیں تو وہ ان قوانین کی نوعیت کی غلط تفہیم کر رہے ہوتے ہیں۔ اس phenomena کے بغور مطالعے سے یہ بات اجاگر ہوتی ہے کہ مختلف سماجی ڈھانچے بنیادی طور پر آپس میں اتنے ہی مختلف ہیں جتنا کہ جاندار اور پودے۔ بلکہ ایک ہی مظہر phenomenon مجموعی طور پر اپنے organism کی مختلف ساخت، انفرادی اعضا میں تغیر، مختلف حالات میں ان کا ارتقا پانے کے باعث بالکل مختلف قوانین کے تحت آتا ہے، وغیرہ، وغیرہ۔ مارکس اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ آبادی کا قانون ہر مقام اور ہر جگہ ایک ہی رہتا ہے۔ اُس کا کہنا اس سے بالکل برعکس ہے کہ ارتقا کے ہر درجے کے اپنے قوانین ہوتے ہیں.....

پیداواری قوتوں کی ترقی کے بدلتے ہوئے مدارج کے ساتھ ساتھ سماجی حالات اور اُنہیں منظّم کرنے والے قوانین بھی بدل جاتے ہیں۔ تاہم اگر مارکس اس نقطۂ نظر کے تحت ایک ایسے معاشی نظام کی تفتیش وتوضیح کا بیڑا اُٹھاتا ہے جو سرمائے کے زیرِ اثر ظاہر ہوا ہے تو وہ ٹھیٹھ سائنسی انداز میں محض اُس مقصد کے حصول میں کوشاں ہے جو معاشی زندگی کی ٹھیک ٹھیک تفہیم کے لئے ضروری ہے۔ ایسی تفتیش کی سائنسی قدر اُن خاص قوانین کی دریافت میں موقوف ہے جو ایک خاص سماجی ڈھانچے کی اساس، وجود، ترقی اور موت کے بعد اس کی جگہ کسی دوسرے اور نسبتاً اعلیٰ [سماجی جاندار] کی آمد کو منضبط کرتے ہیں۔ اور اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو مارکس کی کتاب اسی ''قدر'' کی حامل ہے۔''

جب کہ مصنف اس قدر زور آور اور خلوص بھرے انداز میں میرے اختیار کردہ طریقۂ کار کے بارے میں بتا رہا ہے [جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خود میں نے اسے کس انداز میں استعمال کیا ہے] تو دراصل جو وہ بتا رہا ہے وہ جدلیاتی طریقۂ کار کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

یقیناً بیان کے طریقۂ کار کو اپنی ہیئت ہی میں تفتیش سے مختلف ہونا چاہیے۔ آخر الذکر میں مواد کو تفصیلاً حاصل کیا جاتا ہے، تاکہ اس کے ارتقاء کی مختلف ہیئتوں کا تجزیہ کیا جاسکے اور ان کے داخلی ربط کو تلاش کیا جاسکے۔ اس کام کے ختم ہونے کے بعد ہی حقیقی حرکت کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ کامیابی سے ہم کنار ہو جائے، یعنی اگر مواد کی حیات کو بالکل آئینے کی طرح مترشح کیا جائے تو ممکن ہے کہ ایسا محسوس ہو جیسے ہمارے پاس priori تعمیر پہلے ہی سے موجود تھی۔

میرا جدلیاتی طریقۂ کار نہ صرف ہیگلیائی طریقے سے مختلف ہے، بلکہ یہ اُس سے بالکل برعکس ہے۔ ہیگل کے نزدیک انسانی ذہن کا عملِ حیات، مطلب یہ کہ سوچنے کا عمل جسے "the Idea" کی اصطلاح کے تحت ایک آزاد مُسند علیہ میں بدلتا ہے یعنی حقیقی دنیا کا خالق demiurgus اور حقیقی دُنیا اُس ''خیال'' کی خارجی مظہریاتی ہیئت ہے۔ اس کے برخلاف میرے نزدیک یہ خیال اُس مادی دُنیا کے سوا کچھ نہیں جسے انسانی ذہن منعکس کرتا ہے اور ان کو خیال کی تشکیلات میں بدلتا ہے۔

ہیگلیائی جدلیات کے پُراسرایت کے پہلو پر میں نے تقریباً تیس سال قبل تنقید کی تھی، یہ وہ وقت تھا جب اسے بطور فیشن لیا جاتا تھا۔ لیکن جس دوران میں "Das Kapital" کی پہلی جلد پر کام کر رہا تھا؛ یہ اوسط درجے کے بددماغ Epigoras کی جذباتیت اور جلد بازی تھی جو اس وقت تہذیب یافتہ جرمن میں ہیگل پر بالکل اسی انداز میں لمبی لمبی بحثیں کرتے ہیں جیسے Lessing کے عہد میں بہادر Moses Mendelssohn سپائی نوزا کے بارے میں کیا کرتے تھے، یعنی اسے "dead dog" کہا جاتا تھا۔ میں اس عظیم مفکر کا شاگرد ہونے کا کھلا اعتراف کرتا ہوں؛ یہاں تک کہ قدر کے نظریے کی بابت باب میں کہیں کہیں میں نے تشریح وتوضیح کے ایسے انداز

بھی ہتھیائے ہیں جو صرف اُسی سے منسوب ہیں۔ ہیگل کے ہاتھوں جدلیات جس پراسراریت کا شکار ہوئی وہ کسی طرح بھی اُسے ایسا شخص بننے سے نہیں روک سکی جس نے اس کے کام کرنے کی عمومی ہُنر کو جامع اور شعوری انداز میں بیان کیا ہے۔ اُس کے ساتھ یہ اپنے سر پر کھڑی ہے۔ اگر آپ پراسراریت کے اس خول کے اندر استدلال دیکھنا چاہیں تو آپ کو اِسے اُلٹانا ہوگا۔

اپنی پراسراری شکل میں جدلیات جرمنی کا ایک فیشن بن کر رہ گئی کیونکہ محسوس یوں ہوتا ہے جیسے یہ موجود چیزوں کی ظاہری شکل کو سنوارتی اور نکھارتی ہو۔ اپنی تعقلی شکل میں یہ بورژوازی اور اس کے نظریہ ساز پروفیسروں کے لئے تُہمت اور حقارت ہے۔ کیونکہ اس کی توضیحات اور چیزوں کی موجود حالت کی بابت درست تفہیم میں موجود صورتِ احوال کو تسلیم کرنا اور ساتھ ساتھ اس صورتِ احوال کی تنسیخ اور اس کے ختم ہونے کا ناگزیر پن بھی شامل ہے کیونکہ یہ تاریخی طور پر ارتقا ہونے والی ہر ہنر کو رواں حرکت سمجھتی ہے اس لئے اس کی حرکت پذیر نوعیت کو اس کے عارضی وجود سے کسی طرح بھی کم طور پر زیرِ غور نہیں لاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے آپ پر کوئی چیز مسلط نہیں کرتی اور اپنے جوہر میں تنقیدی اور انقلابی ہے۔

سرمایہ دار سماج کی حرکات کے اندرونی تضادات اپنے آپ کو عملی بورژوازی پر اُس سلسلہ وار چکر میں نقش کرتے ہیں جس کے ذریعے جدید صنعت رواں دواں ہے، اور جس کا نقطۂ عروج عالمی بحران ہے۔ یہ بحران ایک بار پھر قریب آ رہا ہے، اگر چہ ابھی تک یہ اپنی ابتدائی حالت ہی میں ہے لیکن اپنے پھیلاؤ کی آفاقیت اور اپنے عمل کی شدت کی وجہ سے جدلیات [کی سچائی] نئی، مقدس پرشیا۔ جرمن سلطنت کے نئے نئے اور راتوں رات ابھرنے والوں کے سر چڑھ کر بولے گی۔

1۔ Geschichtliche Darstellung des Handels der Gewerbe und des Ackerbaus, &c., Von Gustav von Gulich. 5 vols., Jena, 1830-45

2۔ دیکھئے میری کتاب: Zur Kritic, &c. p. 39.

3۔ اس بجونگڑے، جرمن ولگر معاشیات کی غوں غاں کرنے والے نے میرے اسلوب پر نکتہ چینی کی ہے۔ میرے سوا کسی اور آدمی نے داس کیپیٹل کی ادبی کمیوں کوتاہیوں کو اتنا شدت سے محسوس نہیں کیا۔ تاہم ان اصحاب کے فائدے اور لطف کے لئے اس سلسلے میں ایک انگریزی اور ایک روسی، دو حوالے دوں گا۔ The Saturday Review جو ہمیشہ میرے نظریات کا مخالف رہا ہے، پہلے ایڈیشن کے نوٹس میں لکھتا ہے: ''خشک معاشی موضوعات کو بیان کرنے کا اسلوب عمدہ اور دلچسپ ہے۔ The St. Petersburg Journal,

(Sankt- Peterburgskie Viedomosti) اپنی اشاعت (1872) (20) April 8 میں لکھتا ہے کہ ''سوائے ایک یا دو خاص موضوعات کے بیان میں یہ خوبی ہے کہ یہ عام قاری کے لئے قابل فہم اور سہل ہے۔ باوجود موضوع کی سائنسی پیچیدگی کے، بیان غیر معمولی طور پر نکھرا ہوا ہے۔ اس حوالے سے مصنف جرمن مصنفین کی کثیر تعداد سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا جو اپنی کتابیں اتنی خشک زبان میں لکھتے ہیں کہ عام آدمی کا سر پھٹنے کو آ جاتا ہے۔

فرانسیسی اشاعت کا دیباچہ

Preface to the French Edition

Marurice Lachatre نامی ایک شہری کے نام

عزیز شہری،

میں نے آپ کے اس خیال کو قبول کر لیا ہے کہ "Das Kapital" کے اس ترجمے کو سلسلہ وار شائع کیا جائے۔ اس ہیئت میں یہ کتاب محنت کش طبقے کے لئے زیادہ پُرکشش ہو جائے گی، اور یہ ایک ایسی وجہ ہے جو میرے نزدیک ہر چیز پر مقدم ہے۔

یہ تو تھا آپ کے مشورے کا روشن پہلو، مگر اس کا ایک دوسرا رُخ بھی موجود ہے: تجزیے کا جو طریقۂ کار میں نے اختیار کیا ہے اور اس سے پہلے جسے کسی نے بھی معاشیات میں نہیں برتا اس کی وجہ سے شروع کے ابواب کے قارئین کے لئے کافی مشکلات پیش آئی ہیں۔ اس بات کا خدشہ بھی موجود ہے کہ فرانسیسی عوام کی حوصلہ شکنی ہو جو ہمیشہ ہر چیز کے نتائج جاننے کے سلسلے میں بہت بے صبری واقع ہوئی ہے، اور جو اُس تعلق کی بابت جاننے کے لئے بے تاب ہے جو عمومی اصولوں اور ان فوری سوالات کے مابین ہے جس نے اُس عوام کے جذبات ابھار دئے ہیں۔ اس وجہ سے وہ یکبارگی آگے جانے سے معذور ہوں گے۔

یہ ایک ایسی خامی ہے جسے میں اُس وقت تک دور کرنے سے قاصر ہوں جب تک یہ سچ کے متلاشی قارئین کے لئے پیش گوئی اور پیش بندی نہیں ہوتی۔ علم (سائنس) کے لئے کوئی شارع خاص نہیں، اور صرف وہی اِس کے

اوجِ کمال تک پہنچ پاتے ہیں جو اس کی تھکا دینے والی کٹھن راہوں سے گھبرا نہیں جاتے۔

میرے پیارے شہری،

میری بات کا یقین کرو،

تمہارا مخلص،

کارل مارکس۔

لندن، 18 مارچ، 1872۔

فرانسیسی اشاعت کا تتمہ

Afterword to the French Edition

مسٹر جے. روئے نے اپنے ذمے ایک ایسے شمارے کی اشاعت کا کام لیا جو ممکن حد تک مکمل اور اصل متن کے قریب ہو، اور اسے انتہائی محتاط انداز میں پایۂ تکمیل تک بھی پہنچایا ہے۔ مگر اِسی احتیاط نے ہی مجھے اس میں ترامیم کرنے پر مجبور کیا ہے تاکہ قارئین اسے زیادہ احسن طریقے سے سمجھ سکیں۔ یہ ترامیم، جو اس وجہ سے وقتاً فوقتاً ممکن ہوئی ہیں کہ کتاب چھوٹے چھوٹے حصوں میں شائع ہوتی رہی چنانچہ مساوی توجہ مرکوز نہ رہ سکی اور نتیجتاً اس میں اسلوب کی یکساں روانی نظر نہیں آئے گی۔

جب میں نے اس پر نظرِ ثانی کر لی تو مجھے بنیادی متن یعنی (دوسری جرمن اشاعت) میں کچھ دلائل کی تسہیل، کچھ کی تکمیل، اضافی اعداد و شمار، اور کچھ تنقیدی مواد کی فراہمی کرنا پڑی۔ پس اس فرانسیسی اشاعت میں کیسے ہی ادبی نقائص ہوں، تاہم اس کی آزادانہ طور پر ہی ایک ایسی سائنسی اہمیت بنتی ہے کہ اس سے جرمن قارئین بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

میں نے ذیل میں درج دوسری جرمن اشاعت کے تتمے میں ایسے اقتباسات رقم کئے ہیں جو جرمنی میں ترقی پانے والی سیاسی معاشیات، اور اِس کتاب میں اختیار کئے جانے والے طریقۂ کار کا احاطہ کرتے ہیں۔

کارل مارکس

لندن، 28 اپریل 1875۔

تیسری جرمن اشاعت کا دیباچہ

Preface to the Third German Edition

مارکس اس تیسری اشاعت کو دیکھنے تک زندہ نہ رہ سکا جسے چھپائی کے لئے خود اُسی نے ترتیب دیا تھا۔ وہ طاقتور مفکر جس کے مخالفین بھی اب اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، 14 مارچ، 1883 کو انتقال کر گیا۔

مجھ پر جس نے مارکس کی شکل میں سب سے بہترین رفیق دوست کھو دیا___ اور چالیس سال تک جس کی رفاقت میں رہا___ ایک ایسا دوست جس کا میں اتنا احسان مند ہوں کہ بتا نہیں سکتا___ اب مجھ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس تیسری اشاعت کی ذمہ داری سنبھالوں، اور ساتھ ساتھ اس دوسری جلد کی بھی، جس کو مارکس نے مسودات میں چھوڑا ہے۔ یہاں میں قارئین سے اس بات کا ذکر کروں گا کہ میں اپنی ذمہ داری کے پہلے حصے سے کس طرح سبکدوش ہوا۔

مارکس کا مصمم ارادہ تھا کہ پہلی جلد کے معتدبہ حصے کو ازسرِ نو تحریر کرے؛ تاکہ بہت سارے نظریاتی نِکات کو واضح شکل دی جا سکے، نئے نکات کا اضافہ اور تاریخی و شماریاتی مواد کی تجدید کی جا سکے۔ لیکن اس کی گرتی ہوئی صحت اور دوسری جلد میں ضروری ردوبدل کی فوری ضرورت نے اُسے اس مقصد سے روک دیا۔ صرف ناگزیر تبدیلیاں ہی ممکن ہو سکیں، صرف وہی اضافے کئے جا سکے جو فرانسیسی اشاعت ("Le Capital." Par Karl Marks. Paris, Lachatre 1873) میں ماقبل ہی موجود تھے۔

مارکس نے جو کتابیں چھوڑیں اُن میں جرمن مسودہ تھا جس کی جگہ جگہ خود اُسے نے تصحیح کی تھی، اور فرانسیسی اشاعت کے حوالہ جات کا اضافہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک فرانسیسی مسودہ ایسا ہے جس میں مارکس نے ان اقتباسات کی نشاندہی کی ہے جنہیں استعمال کرنا ہے۔ یہ ترامیم و اضافے کچھ مستثنیات کے علاوہ کتاب کے آخری [انگریزی اشاعت کے آخری سے پہلے] حصے: ''سرمائے کا ارتکاز'' میں موجود ہیں۔ اس مقام پر گزشتہ متن بنیادی مسودے سے سب سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے، جبکہ اس سے پہلے حصے پر زیادہ عرق ریزی سے نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اسلوب میں زیادہ تازگی پائی گئی ہے، یہ ایک جیسا ہے، مگر کچھ بے احتیاطی بھی موجود ہے، انگریزی محاوراتی انداز اکثر جگہ موجود ہے، اور کچھ مقامات پر غیر واضح بھی ہے۔ مباحث کے دوران کہیں کہیں

خلا بھی موجود ہیں اور کچھ اہم لوازمات کی طرف محض اشارہ ہی ملتا ہے۔

اسلوب کے حوالے سے خود مارکس نے بعض ذیلی فصلوں پر مکمل نظرِ ثانی کی ہے، اور اسی سلسلے میں میرے لئے اس کی نشاندہی بھی کی ہے، اور ساتھ ساتھ زبانی ہدایات بھی دی ہیں کہ میں انگریزی کی تکنیکی اصطلاحات، اور دیگر محاورات کی صفائی کے سلسلے میں کہاں تک جا سکتا ہوں۔ بہرکیف اگر مارکس نے معاون متون اور دیگر اضافوں کی نظرثانی کی ہوتی اور رواں فرانسیسی کی جگہ اپنی مبسوط جرمن استعمال کی ہوتی تو مجھے انہیں بدلنے میں اور ان کو بنیادی متن میں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کرنے میں اطمینان ہوتا۔

پس اس تیسری اشاعت میں اُس وقت تک ایک لفظ بھی نہیں بدلا گیا جب تک مجھے اس بات کا مکمل یقین نہیں ہوا کہ یہ تبدیلی مصنف خود کرنا چاہتا تھا۔ مجھے کبھی یہ نہ سوجھے گا کہ میں داس کیپیٹل میں وہ بے معنی زبان ڈال دوں جس میں جرمن ماہرین معیشت لکھتے ہیں، یعنی مثال کے طور پر وہ بے معنی زبان جس میں وہ آدمی جس کو دوسرے نقد رقم کے عوض اپنا محن دیتے ہیں اُسے محن دھندہ (*Arbeitgeber*) کہا جاتا ہے، اور جس شخص سے اُجرت کے عوض اُس کا محن لیا جاتا ہے اُسے محن وصول کنندہ (*Arbeitnehmer*) کہتے ہیں۔ فرانسیسی میں بھی "*Travail*" کا لفظ روز مرہ زندگی میں ''پیشے'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن فرانسیسی کسی بھی معاشیات دان کو دیوانہ کہنے میں حق بجانب ہوگا، کہ سرمایہ دار کو '*donneur de travail*' **محن دھندہ** یا ایک مزدور کو '*receveur de travail*' **محن وصول کنندہ** کہا جائے۔

میں نے اس بات کا اختیار بھی نہیں لیا کہ متن میں استعمال ہونے والے انگریزی سکوں اور کرنسی کے ناموں، پیمانوں اور اوزان کو نئے جرمن ہم معنوں میں بدل دوں۔ جب پہلی اشاعت منظرِ عام پر آئی تو جرمنی میں اوزان اور پیمانوں کی اتنی اقسام تھیں جتنے کہ سال کے دن ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں دو قسم کے مارک تھے ــــ (جیسے Reichsmark جو اس وقت صرف Soetbeer کے تخیل ہی میں موجود تھا، اور جس نے اس کو آخری تہائی میں اختراع کیا تھا)، اور دو قسم کے سکّے، اور کم از کم تین قسم کے taler، جن میں *neues Zweidrittel* بھی شامل ہے، فطری علوم میں میٹر کا نظام رائج تھا ــــ اور عالمی منڈی میں انگریزی پیمانے اور اوزان۔ ایسے حالات میں ایک ایسی کتاب کے لئے انگریزی پیمانے اور اوزان نہایت موزوں تھے جس نے اپنے تقریباً تمام تر حقیقی ثبوت برطانوی صنعتی تعلقات سے لئے تھے۔ آخرالذکر وجہ آج بھی مسلّم ہے، اور اس کا خاص سبب یہ ہے کہ عالمی منڈی میں بننے والے تعلقات میں شاذ ہی تبدیلی آئی ہے اور انگریزی پیمانے اور اوزان تقریباً تمام صنعتوں، بالخصوص فولاد اور روئی، کا احاطہ کرتے ہیں۔

آخر میں چند باتیں مارکس کے حوالہ دینے کے طریق کار کے بارے میں ضروری ہیں جسے بہت کم سمجھا گیا

ہے۔ جب یہ حوالہ جات حقائق یا نظریات کو محض بیان کر رہے ہوں ،مثال کے طور پر English blue books میں سے،تو یہ صرف دستاویزی ثبوت ہی ہیں۔لیکن دیگر معاشیات دانوں کے نظریاتی خیالات کے سلسلے میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں حوالوں کا کام صرف اتنا ہے کہ ایک معاشیاتی خیال اس کے ارتقا میں کب اور کس نے سب سے پہلے واضح طور پر بیان کیا تھا۔ یہاں قابلِ ذکر بات صرف یہ ہے کہ زیرِ نظر معاشیاتی نظریہ سائنس کی تاریخ میں اہمیت رکھتا ہے،مطلب یہ کہ یہ اپنے وقت کی معاشی صورتِ حال کی کم و بیش مکمل عکاسی کر رہا ہے۔لیکن چاہے یہ تصور مولف کے نقطۂ نظر سے اب بھی کوئی مطلق یا متعلقاتی قدر رکھتا ہو یا یہ قدیم تاریخ کا محض حصہ بن کر رہ گیا ہے،اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ثابت ہوا کہ یہ حوالہ جات متن کی بابت صرف رواں تبصرہ ہی ہیں یعنی ایسا تبصرہ جو معاشی سائنس کی تاریخ سے مستعار لیا گیا ہے،اور معاشی نقطہ ہائے نظر کے سلسلے میں ہونے والی اہم ترقیوں کی تاریخیں اوران کے موجدین کا تعین کرتے ہیں۔اور یہ ایک ایسے علم میں بڑی ضروری چیز تھی جس کے مورخین نے اپنے آپ کو ایسی جہالت کی نذر کر دیا جو اہلِ مکتب کی خاصیت ہوتی ہے۔اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مارکس نے دوسرے ایڈیشن کے تتمہ کے مطابق کیوں شاذ ہی جرمن معیشت دانوں کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ دوسری جلد سال 1884 میں منظرِ عام پر آ جائے گی۔

فریڈرک اینگلز

لندن،7 نومبر،1883۔

چوتھی جرمن اشاعت کا دیباچہ

چوتھی اشاعت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ میں اس کتاب کے متن اور حواشی ہر دو کو جس قدر ممکن ہو حتمی شکل دے دوں۔ذیل میں آنے والی مختصر وضاحت سے پتا چلے گا کہ میں اس کام میں کس قدر کامیاب ہو سکا ہوں۔

فرانسیسی اشاعت اور مارکس کے مسودات کا بارِ دیگر موازنہ کرنے سے میں نے اُس ترجمے سے جرمن متن میں مزید ترامیم کی ہیں۔ یہ ترامیم ص80 (تیسری اشاعت ص88)[موجودہ اشاعت ص.18-117]،صفحات.

458-60 (تیسری اشاعت ،ص. 10-509)[موجودہ اشاعت ،ص. 65-462] 1 ،صفحات ، 547 تا 551 ، (تیسری اشاعت ،ص 600)[موجودہ اشاعت ،ص. 51-548]، صفحات. 93-591 (تیسری اشاعت . ص644)[موجودہ اشاعت .ص. 591]نوٹ نمبر 1 میں مَیں نے فرانسیسی اور انگریزی اشاعت کے نمونوں کی اس طرح پیروی کی ہے کہ متن میں طویل حواشی درج کر دئے ہیں (تیسری اشاعت کے صفحات: 509 یا 515؛ چوتھی اشاعت کے صفحات 461 تا 467) [موجودہ اشاعت کے صفحات: 465 تا 471]۔ دیگر چھوٹی چھوٹی ترامیم تکنیکی طرز کی ہیں۔

علاوہ ازایں میں نے کچھ وضاحتی حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے، بالخصوص جہاں بدلے ہوئے تاریخی حالات نے اس بات کا تقاضا کیا ہے۔ان تمام اضافی حواشی کو بڑی قوسین میں درج کیا گیا ہے، اورانہیں یا تو ''بنیادی'' یا پھر "D. H." سے نشان زد کیا ہے۔ 2

اس دوران انگریزی ایڈیشن کی طباعت کی وجہ سے یہ ضروری ہوگیا کہ بے شمار حوالہ جات پر کاملاً نظرِ ثانی کی جائے۔اس کاٹ چھانٹ کے سلسلے میں مارکس کی سب سے چھوٹی بیٹی ایلی نور Eleanor نے تمام اقتباسات کوان کے بنیادی متن سے موازنے کا کام اپنے ذمے لیا، تاکہ جو اقتباسات انگریزی ذرائع سے حاصل کی گئی تھیں ،جن کی اکثریت بھی ہے، اُن کو ترجمہ در ترجمہ کے بجائے اصل انگریزی شکل میں درج کیا جائے۔ چوتھی اشاعت کی تیاری کے سلسلے میں اس متن سے رجوع کرنا میرے لئے ضروری تھا۔اس موازنے سے چھوٹی چھوٹی بہت سی اغلاط کا علم ہوا۔غلط صفحات کی نشاندہی کی گئی تھی ،اس کی کچھ وجہ تو کتابوں سے نقل کرنے کی سہویات تھیں، اور کچھ وجہ تینوں اشاعتوں میں چھپائی کی غلطیاں misprint تھیں؛ کچھ بھٹکے ہوئے اقتباسات یا سہوی نشانات تھے جن سے اس صورت میں بچنا محال تھا جب بہت سارے اقتباسات کو notebook کے ٹکڑوں سے درج کرنا پڑے۔کہیں کہیں کسی لفظ کا غیر موزوں ترجمہ؛ 45-1843 کی پیرس کی قدیم note-books سے نقل کئے گئے مخصوص پیرے __ جب مارکس ابھی انگریزی نہیں جانتا تھا اور انگریزی معیشت دانوں کو فرانسیسی ترجمے میں پڑھ رہا تھا __ بعض دفعہ معنی کے خفیف سے فرق کے ساتھ درآئے ،مثال کے طور پر سٹیورٹ، یورے، وغیرہ کے معاملات میں، جہاں اب انگریزی متن استعمال کیا گیا ہے __ اور اسی طرح عدم موزونیت اور سہویات کی کچھ دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔مگر جو شخص چوتھی اشاعت کا موازنہ دیگر سے کرے گا وہ یہ جان کر مطمئن ہو جائے گا کہ ترامیم کے اس تھکا دینے والے کام سے کتاب میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی قابلِ ذکر تبدیلی بھی نہیں لائی گئی۔صرف ایک اقتباس ایسا ہے جس کا سراغ نہ مل سکا __ وہ اقتباس رچرڈ جانسن سے لیا گیا ہے (چوتھی اشاعت کا ص: 562، نوٹ نمبر 47۔) 3۔ دیگر تمام اقتباسات کی صحت مکمل طور پر برقرار ہے، یا اُنہیں ان کی موجودہ درست ترین شکل

میں تبدیل کیا گیا ہے۔

یہاں مجھے ایک قدیم قصہ درج کرتے ہوئے خوشی ہوگی۔

مجھے مارکس کے استعمال کیے ہوئے صرف ایسے ایک اقتباس کا علم ہے جس کی درستی کی بابت سوال اٹھایا گیا ہے۔لیکن چونکہ یہ مسئلہ خاصا طول پکڑ گیا چنانچہ میں اسے بھلا نہیں پایا۔

یہ 7 مارچ 1872 کا واقعہ ہے کہ برلن میں جرمن مینوفیکچررز ایسوسی ایشن نے *Concordia* نام سے ایک جریدہ جاری کیا، جس میں ایک گمنام مضمون "How karl Marx Quotes" کے عنوان سے چھپا۔اس میں اخلاقیات کے نام پر لیکن انتہائی غیر مہذب زبان میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ Gladstone کی 16 اپریل 1863 کی بجٹ تقریر (جس کا انٹرنیشنل ورکنگ میز ایسوسی ایشن کے افتتاحی خطاب میں، اور دوبارہ سرمایہ جلد اول ص 617، چوتھا ایڈیشن۔ص. 671، تیسرا ایڈیشن میں حوالہ دیا گیا) کو غلط ڈھنگ سے پیش کیا گیا: ''دولت اور طاقت میں بدمست کر دینے والا اضافہ ...صرف ملکیت رکھنے والے طبقات تک محدود... ہے'' ان الفاظ میں سے ایک لفظ بھی ہینسرڈ کی نیم سرکاری رپورٹ میں نہیں ''لیکن یہ فقرہ گلیڈ سٹون کی تقریر میں قطعاً موجود نہیں۔ یہاں اس کے بالکل اُلٹ بات کہی گئی ہے اور جلی حروف میں لکھا ہے'' **یہ فقرہ اپنی ہئیت اور ماہیت میں سراسر جھوٹ ہے جسے مارکس نے یہاں ٹھونس دیا ہے''۔**

مارکس کو Concordia کا شمارہ اگلی مئی بھیجا گیا تو اس نے گمنام مصنف کو پہلی جون کے Volksstaat میں جواب دیا۔ کیونکہ اُسے یاد نہ پڑا کہ اُس نے کس اخبار کا حوالہ دیا تھا تو اُس نے اپنے آپ کو پہلے تو دو انگریزی اشاعتوں سے اُسی حوالے تک اور پھر The Times کی رپورٹ تک محدود رکھا، جس میں گلیڈ سٹون کہتا ہے:

''جہاں تک اس ملک کی دولت کا تعلق ہے اس کی صورتِ حال یہ ہے۔ایک بات تو مجھے یہ کہنی ہے کہ دولت اور طاقت میں یہ بدمست کر دینے والا اضافہ میرے دل میں خدشات اور دُکھ اُبھار رہا ہے، اگر میرا یہ یقین ہوتا کہ یہ اُن طبقات تک محدود ہے جو اچھے حالات میں ہیں۔ یہ محنت کش آبادی کی صورتِ حال کا کوئی احاطہ نہیں کرتا۔ یہ اضافہ جس کی میں بات کر رہا ہوں اور جو میرے خیال میں ٹھیک ٹھیک منافعے کے حساب پر مبنی ہے صرف اور صرف اُن طبقات تک محدود ہے جو ملکیت رکھتے ہیں۔''

پس گلیڈ سٹون یہاں یہ کہتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اُسے بڑا افسوس ہوتا لیکن ایسا ہی ہے۔ دولت اور طاقت میں بدمست کر دینے والا اضافہ مکمل طور پر ملکیت رکھنے والے طبقات تک محدود ہے۔اور جہاں تک نیم سرکاری ہینسرڈ کا تعلق ہے مارکس کہتا ہے: ''وہ بیان جو بعد ازاں اس نے بدلا [zurechtgestumpert]، اس کے متعلق مسٹر گلیڈ سٹون اتنا چالاک تھا کہ اس نے اس پیراگراف کو حذف کر دیا جو انگریز Chancellor of the

Exchequer وزیر خزانہ کی طرف سے آیا اور یقیناً معاملہ گول مول کرنے کا حربہ تھا۔ بات یہ ہے کہ یہ انگریزی پارلیمنٹ میں روایتی طریق کار رہے اور ایسی کوئی اختراع نہیں جو چھوٹے لاسکر نے ببیل کے خلاف بنائی۔

گمنام مصنف غصے سے اور آگ بگولا ہوتا گیا۔Concordia کی چار جولائی کی اشاعت میں اس نے دوسرے درجے کے مآخذات پر خط تنسیخ پھیر دیا اور اعتراض کے انداز میں تجویز دی کہ [رواج] یہ ہے کہ پارلیمانی تقاریر کا سٹینو گرافر کی رپورٹ سے حوالہ دیا جائے۔ تاہم اس نے مزید لکھا کہ کہ اخبار ٹائمز کی رپورٹ (جس میں مسخ شدہ فقرہ ہے) اور ہینسرڈ کی رپورٹ (جس میں یہ فقرہ حذف کیا ہوا ہے) ''معنی کے اعتبار سے ہم آہنگ ہیں'' جبکہ اخبار ٹائمز کی رپورٹ میں معاملہ اسی طرح ''افتتاحی رپورٹ کے اس بدنام پیراگراف کے بالکل الٹ'' ہے۔ اس شخص نے بڑی احتیاط سے اس حقیقت کو چھپایا کہ اخبار ٹائمز کی رپورٹ میں واضح طور پر یہی ''بدنام پیراگراف'' شامل ہے اور ساتھ ہی وہ پیراگراف بھی جسے اس کا الٹ گردانا جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود، گمنام شخص بری طرح پھنس چکا تھا اور کوئی نیا دھوکا ہی اسے بچا سکتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے دکھایا اس کا مضمون اسی طرح کے الفاظ سے بھرا پڑا ہے، جیسے: 'بے شرمانہ جھوٹ'، اور اس میں جا بجا اس طرح کی غلیظ زبان موجود ہے: 'برا ایمان'، 'بے ایمانی'، 'جھوٹے الزامات'، 'وہ جھوٹا حوالہ'، 'بے شرم جھوٹ'، 'ایسا حوالہ جو مکمل طور پر غلط ہے'، 'یہ غلط بیانی'، 'سادہ الفاظ میں قابل نفرت'، وغیرہ۔ وہ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ بحث کو کسی اور رخ موڑ دیا جائے اور اس لئے وعدہ کرتا ہے کہ وہ ''اگلے مضمون میں ہمیں (یعنی جو جھوٹے نہیں اور گمنام ہیں) وہ مطلب سمجھائے گا جو ہم گلیڈسٹون کے الفاظ سے منسوب کرتے ہیں۔'' گویا کہ اس کی اپنی مخصوص رائے، جس کا اس معاملے سے کوئی لینا دینا نہیں، مطلب یہ کہ اس کی کوئی فیصلہ کن اہمیت نہیں۔ یہ اگلا مضمون Concordia کے 11 جولائی کے شمارے میں چھپا۔

مارکس نے Volkasstaat کے 7 جولائی کے شمارے میں اس کا جواب دیا اور اس پیراگراف کا Morning Star سے اور Morning Advertiser کے اپریل 17 کے شمارے سے حوالہ دیا۔ ان دونوں رپورٹوں کے مطابق گلیڈسٹون نے ''کہ دولت اور طاقت میں یہ بدمست کر دینے والا اضافہ میرے دل میں خدشات اور دُکھ اُبھار رہا ہے۔'' اگر میرا یہ یقین ہوتا کہ یہ ''اُن طبقات تک محدود ہے جو اچھے حالات میں ہیں''۔ لیکن یہ اضافہ صرف ''ان طبقات تک محدود تھا جو ملکیت رکھتے ہیں''۔ اس طرح ان [اخباروں' کی] دونوں رپورٹوں میں میں یہ فقرہ حرف بحرف دہرایا گیا جس کے بارے الزام یہ تھا کہ یہ' جھوٹ پر مبنی اضافہ' ہے۔ ایک دفعہ پھر مارکس نے اخبار ٹائمز کی رپورٹ اور ہینسرڈ کی رپورٹ کا موازنہ کر کے یہ بھی ثابت کیا کہ یہ فقرہ جسے تین اخباروں نے ایک جیسے الفاظ کے ساتھ، ایک دوسرے سے آزادانہ طور پر اگلی صبح شائع کیا، یہ ثابت کرتا ہے کہ اسے

کہا گیا؛لیکن یہ ہینسرڈ کی رپورٹ سے غائب تھا یعنی اسے جانی پہچانی روایت کے تحت تبدیل کر دیا گیا۔ مارکس کے اپنے الفاظ میں ہم یہ کہیں گے کہ گلیڈسٹون نے''اسے بعدازاں غائب کر دیا۔'' آخر میں مارکس یہ کہتا ہے کہ اس کے پاس کسی گمنام فرد کے ساتھ بحث مباحثہ کرنے کو کوئی وقت نہ تھا۔ اور اسے کافی کچھ جواب مل چکا ہے۔ بہر حال اس بات کو Concordia میں مزید نہ اچھالا گیا۔

اس کے ساتھ جب لگتا تھا کہ یہ معاملہ ختم ہو گیا ہے، یہ سچ ہے کہ ہمارے پاس کیمبرج یونیورسٹی سے پر اسرار افواہیں پہنچیں جو اس نا قابل بیان جرم کے بارے میں تھیں جس کے بارے فرض کر لیا گیا کہ مارکس نے اس کا ارتکاب اپنی کتاب 'سرمایہ' میں کیا ہے۔ پھر مارکس کی وفات کے آٹھ ماہ بعد 29 نومبر کو، ٹائمز اخبار میں ایک خط شائع ہوا جس کا سرنامہ ٹرینیٹی کالج کیمبرج تھا اور اس پر سیڈلی ٹیلر کے دستخط تھے۔ اس خط میں اس چھوٹے سے آدمی نے جو چھوٹے درجے کے کوآپریٹو معاملات میں تھوڑی بہت دلچسپی لیتا تھا، اور جس نے کچھ باتیں اتفاقی طور پر پکڑی تھیں، کم از کم ہمیں نہ صرف ان موہوم افواہوں کے بارے جانکاری دی جو کیمبرج میں گرم تھیں بلکہ Concordia میں گمنام مصنف کے بارے بھی باخبر کیا۔

ٹرینیٹی کالج کا یہ چھوٹا آدمی کہتا ہے کہ''جو بات انتہائی غیر معمولی لگی، یہ تھی کہ پروفیسر برینٹانو (جو اس وقت بریسلاؤ یونیورسٹی میں تھے، اور اب سٹراسبرگ میں ہیں) کی یہ ذمہ داری لگی کہ وہ مسٹر گلیڈسٹون کے افتتاحی خطبے سے پیدا ہونے والی بُری فضا کی سچائی بیان کرے۔ مسٹر کارل مارکس نے اس حوالے کا دفاع کرنے کی کوشش کی، جس میں اتنا کٹھور پن تھا کہ جب پروفیسر 'برینٹانو' نے کمال مہارت سے اسے اپنا موقف بے بس انداز میں بدلنے پر مجبور کر دیا تو اس [مارکس] نے یہ دعویٰ کیا کہ مسٹر گلیڈسٹون نے 17 اپریل کے اخبار ٹائمز میں اس تقریر کی رپورٹ بدلوا ڈالی اس سے پہلے کہ یہ ہینسرڈ کی رپورٹ میں آتی تا کہ اس پیراگراف کو حذف کیا جا سکے جو انگریز وزیر خزانہ کے لئے''یقینی طور پر معاملہ گول مول کرنے کی کوشش تھی۔ برینٹانو نے جب متون کے مفصل موازنے کر کے یہ دکھایا کہ ٹائمز اخبار اور ہینسرڈ کی رپورٹیں پوری طرح ایک جیسی تھیں سوائے اس مطلب کے جو توڑ مروڑ کر حوالہ دیے جانے کی بنا پر گلیڈسٹون کی تقریر کے الفاظ سے نکالا گیا۔ اس پر مارکس نے اس بحث میں اس بنا پر پڑنے سے انکار کر دیا کہ اس کے پاس 'وقت کی قلت' ہے۔

تو یہ ہے تمام معاملے کی تہہ! اس طرح مسٹر برینٹانو کی Concordia میں مہم بڑے زرخیز انداز میں کیمبرج کے تخیل میں بارآور ہوئی۔ ہاتھ میں تلوار سونتے، جرمن کارخانہ داروں کے اس سنت جارج نے یہ لڑائی لڑی اور''کمال طریقے سے حملے کو ترتیب دیا'' جبکہ دوزخی ڈریگن مارکس،''جس نے کمال مہارت سے اسے بے بس کرتے ہوئے اپنا موقف بدلنے پر مجبور کر دیا'' اپنے آخری سانس لیتا ہوا اس کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔

اس ایری اسٹو کی رزمیہ جیسی لڑائی کے منظر کا مقصد صرف سنت جارج کے چالاک حربوں کو چھپانا ہے۔ یہاں 'جھوٹے دعووں' 'غلط بیانیوں' کو زیر بحث لانا ضروری نہیں رہا، پورے مسئلے کو نیا رنگ دے دیا گیا اور سنت جارج اور کیمبرج کا اسکوائر اچھی طرح جانتے تھے کہ ایسا کیوں تھا۔

ایلی نور مارکس نے ماہنامہ (To-day (February 1884) میں اس کا جواب دیا کیونکہ اخبار ٹائمنز نے اس کا خط چھاپنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے صرف اس نقطے پر بحث کی کہ کیا مارکس نے جھوٹے انداز میں الفاظ بڑھائے تھے؟ اس کے جواب میں مسٹر سیڈلی ٹائلر نے یہ کہا کہ اس کی رائے میں مارکس اور برینٹانو کے مابین بحث مباحثے میں ''یہ سوال کم اہمیت رکھتا ہے کہ آیا گلیڈسٹون کی تقریر میں کوئی خاص فقرہ ہے بھی یا نہیں۔ اس سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ کیا یہ حوالہ گلیڈسٹون کا مطلب دوسروں تک پہنچانے کے لئے ہے یا اس کو مسخ کرنے کے لئے''۔ پھر وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ٹائمنز اخبار کی رپورٹ میں ''لفظی تفاوت'' موجود ہے لیکن اگر سیاق وسباق کے حوالے سے درست تشریح کی جائے، یعنی گلیڈسٹون کے لبرل مفہوم کے ساتھ، تو پتا چلتا ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔(To-day, March, 1884)۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ کیمبرج کا ہمارا چھوٹا آدمی اب اس بات پر زور دے رہا ہے کہ تقریر کے متن کا حوالہ اب ہینسرڈ سے نہیں بلکہ اخبار ٹائمنز کی رپورٹ سے دیا جائے۔ اسی اخبار کے بارے اسی برینٹانو نے یہ کہا تھا کہ یہ ''بھدے طریق سے غلطی'' کر رہا تھا۔ فطری بات ہے کہ، ہینسرڈ کی رپورٹ میں یہ پریشان کن فقرہ غائب ہے۔

ایلی نور مارکس کو اس طرح کے دلائل کا جواب دینے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ یا تو مسٹر ٹائیلر نے 1872 کا اختلاف رائے پڑھ رکھا تھا، جس صورت میں وہ اب نہ صرف 'جھوٹے اضافے' کر رہا تھا بلکہ 'جھوٹے انداز سے چیزوں کو چھپا بھی رہا تھا۔ بہرصورت اسے اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اپنے دوست برینٹانو کا الزام دہرائے کہ مارکس نے جھوٹے انداز سے اضافہ کیا تھا۔ اس کے برعکس، ایسا لگتا ہے کہ مارکس نے جھوٹا اضافہ نہ کیا تھا بلکہ اس نے ایک اہم فقرے کو فروگزاشت کر دیا۔ یہی فقرہ افتتاحی خطاب کے صفحہ 5 پر، مذکورہ فقرے _ جس کے بارے کہا گیا کہ اسے جھوٹے انداز میں ڈالا گیا_ سے چند سطریں پہلے ہے۔ اور جہاں تک گلیڈسٹون کی تقریر میں اس کے 'متضاد' کا تعلق ہے، تو کیا یہ مارکس نہیں جو سرمایہ کے صفحہ 618 (تیسرا ایڈیشن) نوٹ 105 میں گلیڈسٹون کی 64-1863 کی بجٹ تقریر میں خوفناک تضادات کا حوالہ دیتا ہے؟ وہ صرف یہ فرض نہیں کرتا کہ سیڈلی ٹائلر انہیں خود سے بڑے اطمینان کے ساتھ لبرل جذبات میں تبدیل کر دے گا۔ ایلی نور اپنے جواب کے آخر میں کہتی ہے:

''مارکس نے کوئی ایسی چیز دبائی نہیں جو حوالہ دیے جانے کے قابل ہو، نہ ہی اس نے 'جھوٹے' انداز میں کسی چیز کا

اضافہ کیا ہے۔تاہم اس نے مسٹر گلیڈ سٹون کی تقریر کے ایک مخصوص فقرے کو بھلائے جانے سے بچا لیا ہے۔یہ فقرہ بلاشبہ کہا گیا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے ہینسرڈ کی رپورٹ سے غائب ہو گیا۔''

اس سے مسٹر سیڈلی ٹائلر کو کافی جواب مل گیا اور اس پیشہ ورانہ گورکھ دھندے، جو دو صدیوں اور دو عظیم ممالک تک پھیلا ہوا ہے، کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی اور کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ مارکس کی ادبی ایمانداری پر تہمت لگا سکے۔ ساتھ ہی مسٹر سیڈلی ٹائلر بلاشبہ ہر برینٹو کے جنگی ادبی بلیٹن پر کوئی اعتماد نہ کرے گا، نہ ہی ہینسرڈ کی پوپ جیسی معصومانہ فطرت پر ہر برینٹو ہی اعتماد کرے گا۔

1۔1887 کے ایڈیشن میں یہ اضافہ خود اینگلز نے کیا تھا۔

2۔موجودہ ایڈیشن میں یہ بڑی بریکٹوں میں دئے گئے ہیں اور ساتھ میں فریڈرک اینگلز کے نام کا مخفف F.E. دیا گیا ہے۔

3۔مارکس کتاب کے نام کے بارے میں نہیں بلکہ صفحہ نمبر کی بابت غلطی پر تھا۔اُس نے 37 کے بجائے 36 لکھ دیا۔(اس ایڈیشن کا صفحہ نمبر 61-560 ملاحظہ کریں۔)

اس کتاب کو مارکسسٹس انٹرنیٹ آرکائیو marxists.org کے لیے ابن حسن نے ترتیب دیا۔
کمپوزنگ: امتیاز حسین، ابن حسن
اپنی رائے اور تجاویز کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کریں۔
hasan@marxists.org